اسامہ کی تلاش

(نائن الیون سے ایبٹ آباد تک، اسامہ کی کھوج کے دس سال کی داستان)

مصنف: پیٹر ایل برگن

ترجمہ: صفدر سحر

ناشر: مشعل بکس
آر-بی-5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور 54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859
Email: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

فہرست

عرض مترجم

9/11 جدید سیاسی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔اس ایک واقعے نے عالمی سیاست پر جو اثرات مرتب کیے ہیں وہ عالمی جنگوں کے ہم پلہ محسوس ہوتے ہیں۔ نیویارک کے جڑواں ٹاور اور واشنگٹن میں پینٹا گان کی عمارت پر ہونے والے حملوں کا اسامہ بن لادن اور القاعدہ سے جو تعلق ہے اور اسامہ کو پکڑنے کے حوالے سے امریکی حکومت نے جو کوششیں کیں، یہ کتاب اس کی داستان ہے۔کتاب کا مصنف یقیناً بہت اہم نوعیت کا صحافی ہے جس کی معلومات تک رسائی ہے۔اسامہ بن لادن کو پکڑنے کی وہ داستان جو نائن الیون حملوں سے شروع ہوئی تھی اور ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں اسامہ کو لگنے والی گولی پر ختم ہوئی،اس کا بھرپور احاطہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اس موضوع پر یہ اپنی نوعیت کی اہم اور نمائندہ ترین کتاب ہے جو اردو دان طبقے کے لیے آسان اردو زبان میں ترجمے کے صورت میں پیش ہے۔امید ہے اردو پڑھنے والے ہمارے سیاسیات کے طلبا اور عام قاری کے لیے نائن الیون اور اسامہ کی ہلاکت کے حوالے سے یہ کتاب خاصی معلومات افزا ہوگی۔بطور مترجم میری کوشش یہی رہی ہے کہ قاری تک آسان زبان میں وہ معلومات پہنچائی جائیں جو کتاب میں موجود ہیں۔

صفدر سحر

کتاب سے متعلق چند اہم باتیں

اسامہ بن لادن سے میری پہلی ملاقات مارچ 1997 میں مشرقی افغانستان کے پہاڑی علاقوں میں ایک مٹی کے گھر میں ہوئی۔ میں سی این این کے لیے اسامہ کا پہلا انٹرویو لینے وہاں گیا تھا۔ شخصی طور پر اسامہ میری توقعات کے برعکس غیر انقلابی ،خاموش طبع اور مدہم قسم کی شخصیت محسوس ہوا،اس نے اپنا تعارف بھی اسلام کے ایک معمولی عالم کے طور پر کرایا۔مگر جہاں ایک طرف اسامہ کا لہجہ نرم خو تھا وہاں اس کی گفتگو میں امریکہ کے خلاف نفرت اور غصہ نمایاں تھا۔ دوران انٹرویو کیمرے کے سامنے اسامہ نے امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تو میں اور میرے ساتھی اس پر حیرت زدہ رہ گئے۔غالبا یہ وہ پہلا موقع تھا جب اسامہ نے مغربی سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا۔اس دھمکی کو اس وقت سنجیدہ نہ لیا گیا۔اور پھر چار سال بعد نائن الیون کے حادثے کی صورت میں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

میں یہ کتاب اس انٹرویو کے بعد سے لکھنے کی تیاری کر رہا تھا۔اگرچہ اس وقت تک بن لادن کے پکڑے یا مارے جانے کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا مگر ایک بات بہرحال طے تھی کہ جلد یا بدیر اسے پکڑ لیا جائے گا۔ جو کتاب آپ کے ہاتھ میں اس وقت موجود ہے اس میں وہ پوری داستان بالتفصیل موجود ہے کہ یہ کام

کیسے اور کیونکر ہوا؟

اسامہ کی ہلاکت کے بعد میں نے پاکستان کا تین بار دورہ کیا۔ اپنے آخری دورے میں میں نے ایبٹ آباد کے اس کمپاؤنڈ کا تفصیلی دورہ بھی کیا جہاں اسامہ نے اپنی زندگی کے آخرے سال گزارے تھے۔ میں واحد غیر ملکی تھا جسے پاکستانی افواج نے اس کمپاؤنڈ میں جانے کی اجازت دی تھی۔ میرے اس دورے کے دو ہفتے بعد فروری 2012 میں اس کمپاؤنڈ کو منہدم کر کے ہمیشہ ہمیشہ کی لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

اس کمپاؤنڈ کے دورے کی بدولت ہی مجھے اس حقیقت کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع ملا کہ کس طرح اسامہ، اس کا خاندان اور اس کے ساتھی وہاں امریکی گرفت سے بچے رہنے میں کامیاب رہے اور پھر اسی جگہ انہیں امریکی نیوی کے SEAL ٹیم کے مشن نے قتل کیا۔ میں اس کمرے میں بھی کافی دیر کھڑا رہا جہاں اسامہ اپنی زندگی کے آخری چھ سال تک روپوش رہا اور جہاں بالآخر وہ لقمہ اجل بنا۔ میں نے پاکستان کی سکیورٹی اور فوجی عہدیداروں سے بھی بات چیت کی جو SEAL کے چھاپے کے معاملات کی تفتیش کر رہے تھے اور جو اسامہ کی ان بیویوں اور بچوں کی ڈی بریفنگ کر رہے تھے جو امریکی حملے کے وقت کمپاؤنڈ میں موجود تھے۔

جہاں تک امریکی حکام کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں، میں نے وائٹ ہاؤس، محکمہ دفاع، سی آئی اے، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، نیشنل کاؤنٹر ٹیررزم سنٹر اور ڈائریکٹر آف انٹیلی جنس آن اسامہ بن لادن کے تقریباً ہر اس سینئیر اہلکار سے بات کی جس سے مجھے یہ تخمینہ لگانے میں آسانی ہو سکتی تھی کہ اسامہ کے کمپاؤنڈ پر حملہ کس طرح ہوا۔ اس کتاب میں بہت سے ایسے اہلکاروں کے حقیقی نام دیے گئے ہیں جب کہ کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر کچھ فرضی نام استعمال کیے گئے ہیں۔ (مجھ سمیت کسی نے اس SEAL مشن کے کسی بھی رکن سے بات نہیں کی جنہوں نے ایبٹ آباد مشن میں حصہ لیا تھا)۔ سیل

نے اسامہ کے کمپاؤنڈ سے جو چھ ہزار کے قریب ڈاکومنٹ حاصل کیے اور جو وائٹ ہاؤس میں موجود ہیں ان میں سے کچھ جو ڈی کلاسیفائیڈ اور غیر مطبوعہ ڈاکومنٹ تھے وہ میں نے مارچ 2012 میں دیکھے۔

وکی لیکس سے بھی کچھ اہم معلومات مجھے ملیں۔ گوانتاناموبے سے متعلق وکی لیکس کے مسودات سے مجھے بن لادن کی تحریک کی نائن الیون کے بعد کی پیش رفتوں سے آگاہی حاصل ہوئی اور یہ سمجھنے میں بھی سہولت ملی کہ کس طرح سی آئی اے اہلکاروں نے اسامہ کے پیغام رساں (کوریئر) کے ذریعے القاعدہ کے لیڈر تک رسائی حاصل کی۔ لیکن یہ بات لازم نہیں کہ امریکی حکومت کا کوئی ڈاکومنٹ جو خفیہ ڈاکومنٹ میں شامل ہو جائے وہ مستند بھی ہو۔ اس لیے میں نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی کہ ایسے ڈاکومنٹس کی تصدیق دیگر ذرائع سے بھی کی جا سکے۔

اس رپورٹنگ کے علاوہ میں نے سی آئی اے کے سابق اہلکار اور امریکا کے ان فوجی افسروں کے انٹرویوز بھی کیے جو نائن الیون کے بعد اسامہ کو پکڑنے کے آپریشن میں شریک رہے۔ اس کے علاوہ افغانستان کے کئی دورے بھی کیے تاکہ تورابورا کی لڑائی کے دوران اسامہ کی موجودگی کے آثار پا سکوں، جہاں سے بن لادن 2001 میں بچ نکلنے میں کامیاب رہا تھا۔

جب میں نے 1997 میں اسامہ کا انٹرویو کیا تھا تو وہ مقام بھی تورابورا کے نزدیک تھا۔ وہ مقام جہاں سے تاریخ کے سب سے بڑے اور مہنگے فرار کا واقعہ ہوا تھا۔ اور ایک عشرے بعد جلال آباد ائیر فیلڈ سے اڑنے والے جہازوں کے ذریعے شروع کیے گئے مشن سے اسامہ کا خاتمہ ممکن ہوا۔ اس بار جب تاریکی میں دیکھنے والے چشموں سے امریکی مشن نے اسامہ کو دیکھا تو انہیں لگا کہ اب اسامہ امریکا کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔

تمہید

پرسکون ریٹائرمنٹ

بلاشبہ وہ چھپنے کے لیے ایک بہترین جگہ تھی

ایبٹ آباد کے چھوٹے صاف ستھرے گھروں کو دیکھیں تو فوراً سوئٹزرلینڈ کی یاد آتی ہے یا بویریہ کی...... چین سے ملحق کوہ ہمالیہ سلسلے کے دامن میں آباد اس پاکستانی شہر کی آبادی پانچ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس قصبے کی بنیاد 1853 میں ایک انگریز افسر جیمز ایبٹ نے رکھی، خلاف معمول ایبٹ آباد کے باسیوں کو میجر ایبٹ سے بہت زیادہ محبت رہی۔ جب میجر ایبٹ اس شہر کو چھوڑ کر واپس برطانیہ جا رہا تھا تو اس نے ایک بے وزن مگر خوبصورت نظم اس شہر پر لکھی:

ہے یاد آج بھی مجھے وہ دن آیا تھا جب یہاں
سونگھی تھی جب ہوائے شہر ایبٹ آباد
کہتا ہوں بھاری دل کے ساتھ تجھ کو الوداع
پر رکھوں گا یاد تجھ کو ہمیشہ میں اے ایبٹ آباد

ایبٹ آباد میں آج بھی اس کلونیل دور کی کئی یادگار عمارتیں موجود ہیں جیسے سینٹ لیوک کا چرچ اور وہ عمارتیں جو انیسویں صدی کی طرز تعمیر کا شاہکار ہیں جہاں برطانوی

استعمار کے دفاتر قائم تھے۔

ایبٹ آباد آج 'سکولوں کے شہر' کے طور پر جانا جاتا ہے جہاں پاکستان کی نمایاں ترین ملٹری اکیڈیمی موجود ہے۔2008 میں یہاں امریکی خصوصی افواج کے دستے ملٹری اکیڈیمی میں تربیت دینے کے لیے بھی آچکے ہیں۔

نسبتاً کم گرم موسم گرما اور کم ترین شرح جرائم کی وجہ سے ریٹائرڈ سول سرونٹ اور فوجی اہلکار اور خلیجی ممالک سے دولت کما کر امرا کی صف میں شامل ہونے والے افراد یہاں اپنی رہائش گاہیں بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔گرمیوں کی چھٹیوں میں پاکستان بھر سے یہاں لوگ جمع ہوجاتے ہیں تاکہ وہ قدرے پرسکون

اور پرفضا مقام سے لطف اندوز ہوسکیں۔ یہاں غیر ملکیوں کی ایک بڑی تعداد بھی ہمہ دم موجود رہتی ہے۔قراقرم ہائی وے کے ذریعے چین جانے والے یہاں کچھ دیر ضرور قیام کرتے ہیں جو آپ کو آئس کریم کی دکانوں کے آس پاس عام نظر آئیں گے، اس کے علاوہ وہ دولت مند افغان جو جنگ زدہ ملک سے پاکستان میں پناہ گزین کے طور پر آئے تھے ان کے گھر بھی یہاں عام مل جاتے ہیں۔

نائن الیون کے تباہ کن حملوں کے بعد اسامہ نے بھی اپنی ریٹائرمنٹ کی زندگی یہیں گزاری۔ پاکستان میں اسامہ کی موجودگی پر اگر شک ہوجاتا تو ایبٹ آباد کا خیال سب سے آخر میں ذہن میں آتا کیونکہ یہ پاکستان کے قبائلی علاقوں سے کافی فاصلے پر موجود قصبہ ہے۔مگر ایک خیال جو یہاں اسامہ کی موجودگی کا حوالہ بن سکتا تھا وہ یہ ہے کہ یہ شہر پاکستانی کشمیر کے بالکل پاس ہے اور اسامہ نے کشمیری عسکریت پسندوں سے خود کو کافی عرصہ قبل جوڑ لیا تھا جو اس کے لیے مددگار ثابت ہوسکتے تھے۔

2011 میں ایبٹ آباد کے علاقے بلال ٹاؤن میں قیام کرتے ہوئے اسامہ کو چھ سال ہوچکے تھے۔سات سال قبل اسامہ نے اپنی زندگی جس شخص کو سونپی تھی اس کا

نام ابو احمد الکویتی تھا جس نے کچھ عرصہ قبل ہی بلال ٹاؤن کے گرد و نواح میں زرعی زمین خریدنا شروع کر دی تھی۔ کویتی نے 2004 اور 2005 کے درمیان بلال ٹاؤن کے ایک مقامی ڈاکٹر قاضی محفوظ الحق سے پچاس ہزار امریکی ڈالر میں زمین کی خرید کے لیے چار سودے کیے۔ محفوظ الحق نے مجھے بتایا کہ کویتی ایک سادہ، عاجز اور پاکباز قسم کا شخص تھا جو پشتو بولتا تھا اور پشتون انداز میں شلوار قمیض پہنتا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ وہ اپنے ایک انکل کے لیے یہ زرعی زمین خرید رہا ہے۔

کویتی نے مقامی تعمیراتی کمپنی ماڈرن ایسوسی ایٹس کو درجن بھر افراد کے لیے ایک رہائشی کمپاؤنڈ تعمیر کرنے کا ٹھیکہ دیا۔ عمارت جس طرح بنائی گئی اس طرح کی عمارتیں وہاں عام ہوتی ہیں۔ دو منزلہ عمارت تھی، ہر منزل پر چار بیڈ روم تھے جبکہ ہر بیڈ روم سے ملحق غسل خانے تھے۔ ماڈرن ایسوسی ایٹ کے مالک جنید یونس کہتے ہیں کہ میرے ایک شاگرد نے اس مکان کا نقشہ بنایا تھا اور یہ نقشہ حکام سے منظور بھی کرایا گیا تھا۔

2005 میں کہیں جا کر اس زرعی زمین میں اسامہ کے کمپاؤنڈ نے سر ابھارنا شروع کیا تھا۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک ایکڑ پر پھیلے ہوئے اس کمپاؤنڈ کی تعمیر پر لاکھوں ڈالر خرچ ہوئے۔ تعمیر کے دوران نقشے میں ایک تبدیلی کی گئی اور وہ یہ کہ اس میں تیسری منزل کا اضافہ کر دیا گیا جس کے لیے باقاعدہ اجازت نہیں لی گئی تھی، لیکن یہ کوئی اتنی خلاف معمول بات نہیں تھی کیونکہ پاکستان میں پراپرٹی ٹیکس کو ادا کرنا خوامخواہ کا بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس تیسری منزل کو خفیہ رکھنے کی ایک اہم ترین وجہ یہ بھی تھی کہ اس منزل پر اسامہ اور اس کی بیویوں میں سے کم عمر ترین بیوی یمنی خاتون امل کو رہنا تھا۔

تیسری منزل باقی منزلوں سے کچھ مختلف تھی، دوسری منزلوں کے برعکس اس عمارت کی کھڑکیاں صرف ایک طرف کھلتی تھیں اور ان کھڑکیوں پر جو شیشے لگائے گئے

تھے وہ بھی دھندلے تھے۔اس منزل پر پانچ میں سے چار کھڑکیاں بہت چھوٹی اور آنکھ کی سطح سے بلند تھیں۔پانچ سال جو اسامہ نے اس مکان میں گزارے اس میں شاذ ہی وہ دوسری یا تیسری منزل سے نیچے جاتا تھا۔ہاں کبھی کبھار وہ کچن گارڈن میں سیر کے لیے نیچے آتا تھا۔اس گارڈن پر بھی ایک عارضی پردہ سا لٹکایا گیا تھا تا کہ اسامہ کی نقل و حرکت امریکی سیٹلائٹ نہ دیکھ پائے۔

اسامہ جیسے انسان کے لیے یہ ایک خلاف معمول زندگی تھی......اس شخص کے لیے جو چالیس میل بغیر وقفے کے گھڑ سواری کرنے کا دعوی رکھتا ہو اور جو اپنے بیٹوں کے ساتھ بارہ بارہ گھنٹے افغانستان کی پہاڑیوں پر ہائیکنگ کرتا رہا ہو۔اس کے علاوہ اسامہ فٹ بال اور والی بال کا بھی اچھا کھلاڑی تھا اور افغانستان قیام کے دوران اس کا معمول تھا کہ وہ اپنی متعدد بیویوں اور بچوں کے ساتھ صحراؤں میں شوٹنگ کی مشقوں کے لیے نکل جاتا تھا تا کہ اس کے گھر والے جسمانی طور پر مضبوط ہو سکیں۔

اب اسامہ ایبٹ آباد کی اپنی ہی تعمیر کردہ جیل کا قیدی تھا۔مگر اس کا فائدہ یہ تھا کہ وہ ان ڈرون حملوں سے محفوظ رہا جو دو سو کلومیٹر مغرب میں قبائلی علاقوں میں ہو رہے تھے اور جن میں متعدد القاعدہ قائدین کا صفایا کیا جا چکا تھا۔زندگی کی پانچویں دہائی شروع تھی اور اسامہ کے بال تقریبا سفید ہو چکے تھے مگر اس کی صحت قابل رشک تھی۔اسے گردوں کی کوئی بیماری نہیں تھی جیسا کہ مغرب میں عام خیال تھا۔اس کے علاوہ اسامہ کا ایک بڑا خاندان تھا اور وہ اپنی تین بیویوں اور درجن کے قریب بچوں کے ساتھ تھا۔

اس مکان میں اسامہ کی پہلی بیوی اور اس کی چچازاد نجوہ نہیں تھی۔اسامہ اور نجوہ کی شادی 1974 میں ہوئی تھی،جب اسامہ 17 اور نجوہ 15 سال کی تھی۔نجوہ اس وقت سے لیکر 90 کی دہائی تک اسامہ کے ساتھ رہی جس دوران اسامہ کا جہادی سفر شروع ہوا تھا۔پاکستان افغانستان اور سوڈان میں وہ اس کے ساتھ رہی۔مگر طالبان دور میں نجوہ

نے جو پانچ سال صعوبت بھری زندگی گزاری اس سے وہ اکتا گئی۔2001 میں اس نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ شام میں اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہتی ہے۔نجوہ نے اسامہ کو گیارہ بچے اور اپنی زندگی کی تین دہائیاں دی تھیں اس لیے وہ اسے انکار نہ کر سکا۔مگر اس نے صرف تین بچوں کو ہی اس کے ساتھ شام لے جانے کی اجازت دی،جبکہ گیارہ سالہ بیٹی ایمان اور سات سالہ بیٹے کو اسامہ نے اپنے ساتھ رکھ لیا۔

اسامہ کو گھر میں مطلق العنان حکمران جیسے حقوق حاصل تھے اس لیے نجوہ اس فیصلے پر احتجاج نہ کر سکی۔ جب وہ افغانستان چھوڑ کر جا رہی تھی تو اسامہ نے یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ شاید وہ دوبارہ نہ مل سکیں،اسے کہا:

''میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔اگر تم کسی سے یہ سن بھی لو کہ اسامہ نے تمھیں طلاق دے دی ہے تو یہ سچ نہ ہوگا۔''

نجوہ 9 ستمبر 2001 کو افغانستان سے روانہ ہوئی.....ٹھیک اسی دن جب اسامہ کے آدمیوں نے احمد شاہ مسعود کو قتل کیا اور جس کے 48 گھنٹوں بعد نائن الیون حملے ہوئے۔شاید وہ جانتا تھا کہ نجوہ جس کی اس سے شادی جہادی سفر کے آغاز سے قبل ہوئی تھی ان حملوں کے بعد پیدا ہونے والے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

نجوہ کے بعد بھی اسامہ تنہا نہیں تھا کیونکہ ایبٹ آباد کی پناہ گاہ میں اس کی تین بیویاں اس کے ساتھ تھیں۔ان بیویوں میں 29 سالہ امل سے لیکر 60 سالہ خریجہ شامل تھیں،خریجہ حال ہی میں نو سال بعد دوبارہ اسامہ کے پاس واپس لوٹی تھی۔

خریجہ سے اسامہ کی شادی 1985 میں ہوئی تھی جب اسامہ 28 اور خریجہ 35 سال کی تھی۔سعودی عورت کے لیے شادی کی یہ عمر بہت زیادہ تھی مگر اسامہ نے مذہبی جذبے کے تحت اس سے شادی کی۔شادی سے قبل خریجہ ایک خودمختار عورت کی زندگی گزار رہی تھی اور گونگے بہرے بچوں کے سکول میں استانی تھی۔سید خاندان سے تعلق رکھنے

والی خریجہ نے اسامہ کی دوسری بیوی بننا صرف اس بنیاد پر پسند کیا کیونکہ وہ ایک عظیم جہادی تھا جس کے سوویت کے خلاف جہاد کے چرچے سعودی عرب میں زبان زد عام تھے۔ چار سال بعد دونوں کے ہاں حمزہ کی پیدائش ہوئی جس کے بعد وہ ام حمزہ کہلائی جانے لگی۔

طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد ام حمزہ اپنے بیٹے حمزہ اور اسامہ کی دیگر بیویوں سے بچوں کے ساتھ ایران چلی گئی۔ کئی سال تک وہ ایرانی دارالحکومت میں نظر بندی کی زندگی گزارتی رہی اگرچہ ان کے حالات زیادہ برے نہیں تھے۔ انہیں شاپنگ کی اجازت تھی، بچوں کے لیے ویڈیو گیمز کی سہولت اور سوئمنگ پول جانے کی اجازت حاصل تھی مگر بہرحال وہ پنجرے میں تھے اگرچہ پنجرہ سنہری تھا۔ ایرانی ریاست کا خیال تھا کہ اسامہ کا خاندان کبھی امریکہ کیساتھ کسی قسم کی ڈیل کے حوالے سے مفید ثابت ہوسکتا تھا۔

تاہم جب 2010 میں پاکستانی علاقے پشاور سے القاعدہ کے عسکریت پسندوں نے ایرانی ڈپلومیٹ حشمت اللہ نیا کی کو اغوا کرلیا تو ایران نے امریکہ سے لین دین کے معاملے کو ٹھپ کردیا۔ ایک سال تک ڈپلومیٹ کو قید میں رکھنے کے بعد ایرانی حکومت کی طرف سے اسامہ کے خاندان کی نظر بندی ختم کرنے کی شرط پر رہا کردیا گیا۔

2010 میں خریجہ تہران سے پاکستانی قبائلی علاقے شمالی وزیرستان پہنچی جہاں سے وہ کم وبیش ایک عشرے کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں اسامہ کے پاس

ایبٹ آباد یہ غم لے کر پہنچی کہ اس کا واحد بیٹا حمزہ شمالی وزیرستان ہی رہ گیا جہاں القاعدہ کے کئی لیڈر موجود تھے۔

ترتیب کے لحاظ سے اسامہ کی اگلی بیوی کا نام سیہام بن عبداللہ بن حسین تھا جو اسامہ کی ہم عمر 54 سالہ سعودی سید خاندان سے تھی۔ ایبٹ آباد کے مکان میں اپنے

باپ اسامہ اور ماں سیہام کے ساتھ 23 سالہ خالد بھی موجود تھا۔ جب 80 کی دہائی کے نصف میں اسامہ نے سیہام کو نکاح کی دعوت دی اس وقت وہ مدینہ کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں اسلامیات کی طالبہ تھی۔ اس نے اس دعوت کو قبول کرنے کی ایک شرط رکھی کہ اس سے قبل وہ اپنی تعلیم مکمل کرے گی جو اسامہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی مان لی۔ سیہام کے والدین نے اس بنیاد پر شادی کی مخالفت کی کہ اس کی پہلے سے ہی دو بیویاں ہیں مگر سیہام اس پر بضد رہی کیونکہ اسے اسامہ کے جہاد پروجیکٹ سے لگاؤ تھا۔ جس وقت سیہام اور اسامہ کی شادی ہوئی اسامہ مستند جہادی کا درجہ پا چکا تھا۔ شادی کے موقع پر سیہام کو سونے کے جو زیورات ملے وہ اس نے جہاد افغانستان کے لیے چندے میں جمع کرا دیے۔ سیہام ایک شاعرہ اور خردمند خاتون تھی جو اسامہ کی تقریروں کی تدوین بھی کرتی تھی۔

اسلامی قانون کے مطابق چوتھی شادی کی گنجائش اسامہ کو اس وقت مل گئی جب اس کی ایک سعودی بیوی خدیجہ نے سعودی ارب پتی کی دربدری کی جہادی زندگی سے تنگ آ کر طلاق کا مطالبہ کیا جو اسامہ نے مان لیا۔ ایک یمنی عالم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ایک مذہبی اور نوجوان لڑکی سے اسامہ کی شادی کا اہتمام کرے جو اتنی کم عمر ہو کہ اسے اسامہ کی دیگر بیویوں سے حسد کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ اس عالم نے اسامہ کو بتایا کہ اس کے ذہن میں ایک ایسی لڑکی ہے جسے وہ پڑھاتا رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ بہت متقی ہے اور متوسط گھر کی ہونے کی وجہ سے تکالیف بھری زندگی سے بآسانی نباہ کر لے گی اور اس کا ماننا یہ ہے کہ شوہر کی خدمت گزار بیویاں جنت میں جائیں گی، اس عورت کا نام امل احمد السادہ تھا۔

1999 میں اسامہ نے یمنی دارالخلافہ سے 100 کلومیٹر جنوب میں واقع ایک گاؤں میں موجود امل کے خاندان کے گھر رشتے کے سلسلے میں ایک وفد روانہ کیا۔ اولاً تو انہیں

بتایا گیا کہ رشتے کا یہ پیغام حضر موت کے ایک بزنس مین کی طرف سے ہے، اس میں کسی حد تک سچائی بھی تھی کہ اسامہ کے خاندان کا بنیادی طور پر تعلق حضر موت سے تھا۔ مگر آخر میں یہ بتا دیا گیا کہ وہ اسامہ کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔ مگر یہ بتانے کا زیادہ اثر اس لیے نہ پڑا کہ ابھی اسامہ اور القاعدہ نے یمن میں امریکی کول پر حملہ نہیں کیا تھا اور ان کی زیادہ شہرت نہ تھی۔ یہ حملہ اس کے ایک سال بعد ہوا۔

خوبصورت اور کم عمر مسکراتے چہرے والی امل نے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اسامہ نے اپنے ایک بااعتماد باڈی گارڈ کو پانچ ہزار ڈالرز کے ساتھ یمن روانہ کیا تا کہ امل کے لیے زیورات اور شادی کے کپڑے خریدے جا سکیں۔ 2000 میں امل اپنے خاندان کے کچھ مرد ممبران کے ہمراہ یمن سے طویل فاصلہ طے کر کے قندھار پہنچی جہاں اسامہ ان دنوں قیام پذیر تھا۔ شروع میں اسامہ کی باقی بیویوں نے سترہ سال کی اس لڑکی سے شادی پر انتہائی غصے کا اظہار کیا کیونکہ اسامہ نے اپنی بیویوں کو بتا رکھا تھا کہ امل تیس سال کی میچور عورت ہے اور قرآن کی حافظہ ہے۔

امل کے باپ نے نائن الیون حملوں کے ایک سال بعد اپنی بیٹی کی خیریت دریافت کرنے کے لیے افغانستان کا سفر کیا۔ اس کے باپ کو شروع میں پاکستان لایا گیا جہاں القاعدہ کے ارکان نے یہ تسلی کی کہ اس کا پیچھا تو نہیں کیا گیا۔ بعد ازاں اسے غاروں میں، غالباً تورا بورا کے غاروں میں اس جگہ لے جایا گیا جہاں امل اسامہ کے ساتھ قیام پذیر تھی۔ اس کے دورے کے دوسرے دن اسامہ اپنے سسر سے ملا تو اس نے ایک گن کاندھے پر لٹکا رکھی تھی اور اس بات پر پریشان تھا کہ اس کا سسر خفیہ ایجنٹ بن کر نہ آیا ہو۔

اس موقع پر اسامہ نے اپنے سسر کو ان مختلف واقعات کے بارے میں بتایا جس میں اسے قتل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس کے بعد اسامہ نے امل کے باپ کو اپنی

بیٹی کی شاندار پرورش پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس طرح بھی لوگ بیٹیوں کی پرورش کرتے ہیں اور یہ کہ امل بالکل میری طرح ہے۔اپنے سسر کی آمد پر ایک بیل کو ذبح کر کے تقریب کا انعقاد کیا گیا اور امل جواب اسامہ کو بخوبی جان چکی تھی اس نے اپنے باپ کو بتایا کہ وہ اسامہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہونا پسند کرے گی۔اپنے بچپنے میں امل اپنے مرد کزنوں سے کہتی تھی کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کا نام تاریخ میں رقم ہو اور اس کے کزن مذاق اڑا کر کہتے تھے کہ تمھاری زندگی کچن میں گزرے گی ،مگر امل کو اسامہ کی رفاقت میں تاریخ کی کتابوں میں رقم ہونے کا موقع مل ہی گیا۔

جب امل سے اسامہ کی شادی ہوئی اس وقت اسامہ کی عمر43سال تھی۔مگر 26سال کی عمر کا فرق ان دونوں کی محبت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کر سکا۔ان دونوں کی پہلی اولاد نائن الیون حملوں کے ایک سال بعد پیدا ہوئی جس کا نام صفیہ رکھا گیا۔ اسامہ نے اپنے شناساؤں کو بتایا کہ صفیہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ چودہ سو سال قبل حضور کے دور میں صفیہ نامی ایک خاتون نے ایک یہودی کی گردن اڑائی تھی۔اور اسامہ نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ اس کی یہ بیٹی یہودیوں کی گردنیں اڑائے گی۔امل سے اسامہ کی چار مزید اولادیں ہوئیں جن میں سے دو ایبٹ آباد کے مکان میں ہوئیں۔

ایبٹ آباد میں اسامہ کے لیے اس کی گھریلو زندگی باعث تسکین رہی جو زیادہ شادیوں اور زیادہ بچوں کو مذہبی فرض سمجھتا تھا۔وہ اکثر اپنے قریبی مرد دوستوں کو پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ فرمان سنایا کرتا تھا ''شادیاں کرو اور بچے پیدا کرو تا کہ میری امت میں اضافہ ہو''۔کچھ دوستوں سے مذاق میں اسامہ نے یہ بھی کہا:

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں لوگ صرف ایک شادی کرتے ہیں۔اگر چار بیویاں ہوں تو انسان ہمیشہ دولہا بنا رہتا ہے''(یہ وہ واحد مذاق ہے جو اسامہ کے بارے میں

محفوظ ہے)۔

ایبٹ آباد میں اسامہ اور اس کے خاندان کی زندگی زیادہ پرتعیش نہیں تھی مگر اس کے لیے یہ معمول کی بات تھی کیونکہ اس کا ماضی بھی کوئی زیادہ پرتعیش نہیں تھا۔ ان کی سماجی زندگی بہت محدود تھی۔ اسامہ کے کمپاؤنڈ اور علاقے کے باقی گھروں کے درمیان کھیت تھے اور ایک چھوٹی سی سڑک تھی جو ان کے گھر کو باقی علاقے سے ملاتی تھی۔ کمپاؤنڈ کو پینٹ نہیں کیا گیا تھا اور اسامہ کے عقائد کی وجہ سے گھر میں ایک بھی تصویر نہیں تھی۔ گھر میں ائیر کنڈیشنز نہیں تھے مگر گیس کے ہیٹر البتہ موجود تھے۔

ویسے پرتعیش اور جدید سہولتوں سے آزاد زندگی اسامہ کے خاندان والوں کے لیے کچھ نئی نہیں تھی۔ عشروں سے اسامہ ایک ایسی زندگی گزارتا آیا تھا جس میں انتہائی ضروری اور بقا کے لیے لازم سہولتوں کو استعمال کرتا تھا اور جدید زندگی کی آسائشوں سے دور رہتا تھا۔ سوڈان میں قیام کے دوران بھی اس نے اصرار کیا تھا کہ اس کے خاندان کو ائیر کنڈیشنرز کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح قندھار کے صحراؤں میں بھی اس نے یہ سہولت حاصل نہیں کی تھی۔ ایک لیبیائی عسکریت پسند جو ایک زمانے میں اسامہ کے بہت قریب تصور ہوتا تھا اس کا کہنا ہے کہ اسامہ اپنے ساتھیوں سے کہتا تھا:

''تم لوگوں کو جدید آسائشوں جیسے بجلی، ائیر کنڈیشنر، ریفریجریٹر جیسی چیزوں کی قربانی دینی چاہیے، اگر آپ لوگ اس آسائش بھری زندگی کے عادی ہو گئے تو پہاڑی علاقوں میں جہاد کے لیے نہ نکل سکو گے''

اسامہ کے کمپاؤنڈ میں موجود اس کے ایک کوریئر کے ایک بچے کے علاوہ کوئی بھی بچہ مدرسے نہیں جاتا تھا بلکہ اسامہ کی دو بیویاں جو استانیاں تھیں وہ بچوں کو قرآن اور عربی کی تعلیم دیتی تھیں اور دوسری منزل کے بیڈروم کو عارضی طور پر کلاس روم میں بدل دیا جاتا تھا۔ تختہ سفید کے ذریعے یہ خواتین بچوں کو پڑھاتی تھیں اور باقاعدگی سے ان

کے ٹیسٹ لیتی تھیں جبکہ اسامہ جو شاعری کا بہت شائق تھا وہ بچوں کو شاعری کی تعلیم دیتا تھا۔ روزانہ کی بنیاد پر اسامہ گھر والوں کو مذہبی خطبات دیتا تھا جس میں یہ اوامر و نواہی اور بچوں کی تربیت سے متعلق بات ہوتی تھی۔

اپنی عمر اور مزاج کی وجہ سے اسامہ نے اس طرح کا ماحول بنا رکھا تھا کہ اس کی سب سے بڑی بیوی خریجہ جو غصے کی تیز تھی، مگر اس کے باوجود اس کی بیویوں کے درمیان شاذ ہی جھگڑا ہوتا تھا۔ اس کی بیویوں کو بھی پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ اسامہ کے ساتھ شادی کا مطلب ہے کہ کثیر زوجی ماحول ہوگا۔ سعودی عرب ہو، سوڈان ہو یا افغانستان اور بعد میں ایبٹ آباد، اپنی بیویوں کے درمیان ہم آہنگی قائم رکھنے کا اسامہ خصوصی اہتمام کرتا تھا، ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں بھی ہر بیوی کے لیے علیحدہ اپارٹمنٹ اور علیحدہ کچن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دوسرے فلور پر اس کی بڑی عمر کی بیویوں کا قبضہ تھا جبکہ تیسری منزل پر اسامہ کی کم عمر بیوی کا قبضہ تھا۔

سماج میں عورت کے کردار کے حوالے سے بنیاد پرستانہ سوچ رکھنے والا اسامہ اپنی بیویوں کو احترام دیتا تھا اور اس نے اپنی تمام بیویوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ اگر وہ اس کی جہادی زندگی کی صعوبتیں برداشت نہیں کرنا چاہیں تو وہ علیحدہ ہو سکتی ہیں۔ اسامہ اپنی بیویوں سے کبھی بلند آواز میں بات نہیں کرتا تھا، کبھی غصہ نہیں کرتا تھا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اکلوتا ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ماں کا لاڈلا رہا تھا۔ جوانی میں بھی وہ جب ماں کے سامنے آتا تھا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ لیتا تھا۔

54 سالہ اسامہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ کس طرح انصاف کر پاتا تھا اس کا جواب وہ جئی کا سیرپ ہے جو جنگلی جئی سے تیار کی جاتی تھی جو اس کی وفات کے بعد اس کے کمپاؤنڈ سے بھی ملی۔ ویسے بھی اسامہ ہر قسم کی ادویہ اور کیمیکلز کے استعمال سے پرہیز کرتا تھا اور قدرتی جڑی بوٹیوں سے بنی ادویات استعمال کرتا تھا۔

اگرچہ ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں بن لادن اپنے بااعتماد کوریئر کویتی اور اس کے بھائی کے ساتھ انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ دونوں بھائیوں کو 12000 روپے ماہانہ تنخواہ دیتا تھا۔ جس سے اس بات کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ القاعدہ کے خزانے خالی ہو چکے تھے۔ کویتی کا بھائی قریبی شہر ایبٹ آباد میں زیورات کی دکان پر زیور فروخت کرتا تھا جس سے گھر کا خرچ چلانے میں بڑی مدد ملتی تھی۔

کویتی اور اس کے بھائی کا گھر بھی کمپاؤنڈ کے ایک حصے میں چار دیواری کے ذریعے سے علیحدہ تھا۔ کویتی کی بیوی مریم اسامہ کے گھر میں صرف صفائی کے لیے جاتی تھی۔ اس نے 2011 میں صرف ایک بار اسامہ کی ایک جھلک دیکھی۔ اس کے شوہر نے اسے سالوں پہلے اسے بتایا تھا کہ اس گھر میں ایک اجنبی رہتا ہے جس کے بارے میں باہر کبھی کسی سے بات نہ کرنا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسامہ خود اپنے گھر میں موجود افراد سے بھی چھپ کر رہ رہا تھا۔

اسامہ کے دن کا اکثر حصہ کمپاؤنڈ کی اوپری منزل پر اہل کے ساتھ گزرتا تھا۔ اس بیڈروم میں ایک معمولی سا غسل خانہ تھا جس میں سستا سا ایک شاور موجود تھا۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا کچن تھا۔ کمرے کے ایک حصے میں اسامہ کی سٹڈی تھی جہاں اس کی کتابیں لکڑی کی میز اور کمپیوٹر پر پڑی رہتی تھیں۔ اسامہ کی زندگی افغانستان میں بھی کسمپرسی ہی کی تھی مگر وہاں یہ عیاشی اسے حاصل تھی کہ وہ کھلی ہوا میں سانس لے سکتا تھا جبکہ ایبٹ آباد میں اسکا تمام وقت اپنے کمرے میں ہی گزرتا تھا۔ جہاں اس کے پاس کافی سے زیادہ وقت موجودہ ہوتا تھا۔ نمازوں کے علاوہ وہ الجزیرہ اور بی بی سی ریڈیو کی نشریات کو سنتا تھا۔ وہ اوبامہ کی پریس کانفرنسز کو بھی سنتا تھا جس سے القاعدہ لیڈر کو اتنی ہی نفرت تھی جتنی صدر بش سے۔

اپنے فرصت کے لمحات میں جو وافر مقدار میں موجود تھے اسامہ مختلف خیالات پر

لکھتا بھی تھا، فلسطین کا موضوع اسے سب سے زیادہ محبوب تھا جبکہ وہ ماحول اور گلوبل معیشت پر بھی لکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایسی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا تھا جو امریکہ کی خارجہ پالیسی کے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ مائیکل شیور کی کتاب Imperial Hubris: Why the West Is Losing the War on Terror اسے خاص طور پر پسند تھی جس میں بش کی خارجہ پالیسی پر شدید تنقید کی گئی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسامہ کی ریٹائرمنٹ کا دور قدرے پرسکون تھا۔ اسے کتابیں پڑھنے اور خبریں سننے کے مشغلوں کو دینے کے لیے وقت ملا اور عبادت کرنے کا موقع بھی۔ وہ اپنی تین بیویوں کے ساتھ تھا اور اپنے متعدد بچوں کے درمیان تھا جن سے اسے محبت تھی۔ دنیا کے سب سے زیادہ مطلوب اور فراری کے لیے بہر حال یہ ایک بری زندگی نہیں تھی۔

1۔نائن الیون اوراس کے بعد

بن لادن کواس بات پر پورا یقین تھا کہ امریکہ کمزور ہے۔نائن الیون سے قبل وہ اکثر اپنے پیروکاروں کے سامنے اپنے اس خیال کا اظہار کرتا رہا تھا۔اس سلسلے میں اسامہ مثالیں دیتا کہ ستر کی دہائی میں ویتنام میں امریکہ کے ساتھ کیا ہوا، دو دہائیاں قبل صومالیہ اور بلیک ہاک ڈاؤن واقعے کا ذکر کرتا جس میں اٹھارہ امریکی سپاہی ہلاک ہوئے تھے۔بن لادن اکثر یہ ذکر کر کے لطف اندوز ہوتا کہ القاعدہ کیسے1993 میں اپنے جنگجوؤں کوصومالیہ میں داخل کرنے میں کامیاب رہی تھی جہاں انہوں نے صومالی قبائل کوان امریکی افواج کے خلاف لڑنے کے لیے تربیت فراہم کی جو وہاں فاقہ کشی کا شکار صومالی عوام کوغذا کی فراہمی کے اقوام متحدہ مشن کے ساتھ موجود تھی۔ بن لادن مضحکہ اڑاتے ہوئے کہتا تھا کہ ان کے لڑکوں کو حیرت ہوتی تھی کہ امریکی فوجیوں کا حوصلہ کتنا پست تھا اوران کے لڑکے امریکیوں کو فقط کاغذی شیر قرار دیتے تھے۔اسامہ کے ساتھی ان کے کہے کو ہمیشہ احترام دیتے کیونکہ وہ ان کے لیے باپ کا درجہ رکھتا تھا۔

اسامہ نے اپنے لوگوں کو یقین دلایا کہ امریکی زندگی سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جیسے ہم موت سے محبت کرتے ہیں اور وہ افغانستان میں قدم رکھنے کی جرات کبھی

نہیں کریں گے۔ القاعدہ اور مجاہدین نے سوویت یونین کے ساتھ افغانستان میں کیا کیا تھا اور امریکہ بھی سوویت یونین کی طرح کمزور ہے۔ اسامہ جب یہ سب بتا رہا ہوتا تو اس کے تمام ساتھی بیٹھے سامنے سر ہلا رہے ہوتے۔ اور اگر کسی کو ان خیالات سے اتفاق نہ بھی ہوتا تھا تو وہ یہ بات خود تک ہی محدود رکھتا تھا۔ جب نائن الیون حملوں سے متعلق منصوبہ بندیاں حتمی مرحلے میں تھیں القاعدہ کے کچھ سینئر اہلکاروں نے اس حوالے سے اپنی تشویش کا اظہار کیا کہ شاید اس سے طالبان کے رہنما ملا عمر ناراض ہوں، جس سے اسامہ علامتی طور پر سہی مگر حلف وفاداری اٹھا چکے تھے۔

پانچ سال کے دوران اسامہ طالبان اور ملا عمر کا محترم مہمان رہا تھا۔ ملا عمر اور طالبان کے دیگر لیڈروں نے دوٹوک انداز میں اسے بتا دیا تھا کہ القاعدہ امریکہ کے خلاف اپنے جہاد کے لیے افغانستان کی سرزمین کو کبھی استعمال نہیں کرے گا۔ بن لادن نے سوچا کہ ان حملوں کی وجہ سے اگر کسی قسم کا اظہار ناراضگی طالبان کی طرف سے آیا بھی تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ انہیں ان کے مطلوب ترین دشمن احمد شاہ مسعود کا سر تحفے کے طور پر پیش کر دیا جائے گا جو طالبان مخالف جدوجہد کا اس وقت واحد نمائندہ لیڈر تھا۔ مسعود کو مارنے کے لیے اسامہ نے تیونس اور بلجیم سے تعلق رکھنے والے دو قاتلوں کی خدمات لیں جو ٹی وی جرنلسٹ کے روپ میں گئے جو احمد شاہ مسعود کے انٹرویو میں دلچسپی رکھتے تھے۔

2001 کے موسم گرما کے دوران جب القاعدہ مسعود کے قاتلوں کو تیار کر چکے تھے، ٹھیک اسی وقت امریکہ پر ان کے حملوں کی منصوبہ بندی بھی تیار حالت میں تھی۔ رمزی بن الشبہ جو ہمبرگ میں قیام پذیر تھا اور نائن الیون حملوں کا کلیدی کردار تھا اس نے 6 ستمبر بروز جمعرات کو اسامہ کے پاس ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ واشنگٹن اور نیویارک پر حملے آنے والے منگل کو ہوں گے۔ 9 ستمبر کو اسامہ کو پتہ چلا کہ اس کے

بھیجے ہوئے لوگوں نے احمد شاہ مسعود کو شدید زخمی کر دیا ہے اور اس کا بچنا مشکل ہے۔
اب سٹیج تیار تھا جو اسامہ کے خیال میں اس کی سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ملک پر بڑا اور شاندار حملہ ہونے جا رہا تھا جس نے مشرق وسطی کے بے خدا آمروں اور بادشاہوں اور اسرائیل جیسے ملک کی سر پرستی کی تھی۔ اسامہ کا خیال تھا کہ امریکہ پر ایک بڑے حملے کے بعد وہ امریکہ کو مجبور کر دے گا کہ وہ مشرق وسطی سے نکل جائے اور یوں نہ صرف اسرائیل کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ عرب کے مطلق العنان حکمران بھی ختم ہو جائیں گے اور اس خطے میں طالبان طرز کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ یہ خیال بن لادن کو بہت محبوب بھی تھا اور اس کے لیے ایمان کا درجہ بھی رکھتا تھا۔

20 جنوری 2001 کہ جس دن جارج ڈبلیو بش نے امریکی صدارت کا عہدہ سنبھالا تھا، ہفتے کے چھ دن ہر صبح سی آئی اے کے آفیشل مائیکل مورل ان معلومات سے متعلق امریکی صدر کو بتا تا رہا تھا جو اسے خفیہ اداروں سے مل رہی تھیں جو نیشنل سکیورٹی مسائل سے متعلق تھیں۔ بش کو عہدہ صدارت سنبھالے آٹھ ماہ ہو چکے تھے جب چھ اگست کو مورل صدر بش سے اسوقت ملا جب وہ اپنی چھٹیاں ٹیکساس میں گزار رہے تھے جہاں مورل نے بش کو سی آئی اے کے اس خیال کے متعلق بتایا کہ اسامہ امریکہ کے اندر حملے کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس خفیہ معلومات کو ان شواہد کے ساتھ زیادہ سنجیدہ بنا کر پیش کیا گیا کہ القاعدہ کے ایک سرگرم کارکن الجیریا کے احمد ریئسم کو دسمبر 1999 میں لاس اینجلس انٹرنیشنل ائیر پورٹ کو بم سے اڑانے کی منصوبہ بندی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ چھ اگست کی بریفنگ میں بتایا گیا تھا کہ جو معلومات ملی ہیں ان سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ طیارے ہائی جیک کیے جا سکتے ہیں یا کسی اور نوعیت کا حملہ ہو سکتا ہے۔ اس بریفنگ کے بعد بھی بش نے تیس دہائیوں میں امریکی صدر کی طرف سے

طویل ترین چھٹیوں کے پروگرام سے لطف اندوز ہونا جاری رکھا۔

گیارہ ستمبر 2001 کو فلوریڈا، سراسوٹا میں مورل نے معمول کی روزانہ کی بریفنگ دی۔ اس بریفنگ کی کوئی بات زیادہ غیر معمولی نہ تھی۔ سیاسی مشیر کارل روف اور پریس سیکرٹری اری فلیشر کے ہمراہ مورل بھی صدر کی گاڑی میں موجود تھا۔ گاڑی وہاں کے ایک مقامی ایلیمنٹری سکول کی طرف جارہی تھی جہاں صدر بش کو کچھ طلبا سے ملنا تھا۔ گاڑی میں ہی فلیشر نے مورل سے پوچھا کہ آیا اس نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے کسی جہاز کے ٹکرانے کے حوالے سے کچھ سنا ہے۔ مورل نے کہا کہ نہیں مگر میں ابھی سی آئی اے کے آپریشن سنٹر سے معلوم کرتا ہوں۔ آپریشن سنٹر سے حکام نے اس خبر کی تصدیق کردی۔ جلد ہی لوگوں کا یہ خیال کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانے والا کوئی چھوٹا جہاز ہوگا، خام ثابت ہوا کیونکہ ٹکرانے والا طیارہ ایک بڑا کمرشل جیٹ تھا۔

ایلیمنٹری سکول میں بش اس وقت سیکنڈ گریڈ کے بچوں کو ایک پالتو بکری کی کہانی سنا رہا تھا، جب یہ خبر آئی کہ ایک اور جیٹ طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گیا ہے۔ صدر بش جلدی سے سکول سے باہر آئے اور ائیر فورس ون میں جا بیٹھے جو انہیں لے کر لوسیانا ائیر فورس بیس جا پہنچا۔ فلیشر اس دن کے اہم نوٹس لکھ رہا تھا اور 10:41 پر اس دن کی رپورٹ میں پہلی بار اس نے اسامہ بن لادن کا نام رپورٹ میں اس وقت درج کیا جب چیف آف سٹاف اینڈی کارڈ نے ائیر فورس ون میں بش کو بتایا کہ مجھے اس معاملے میں اسامہ بن لادن کے ملوث ہونے کا شک ہے۔ اس وقت تک ٹریڈ سنٹر کے دونوں ٹاور گر چکے تھے اور ایک ہائی جیک کیا گیا طیارہ پینٹا گون سے ٹکرا چکا تھا۔ بش کا خون ابل رہا تھا اور اس نے اس وقت قسم اٹھا کر کہا 'جس کسی نے بھی یہ کام کیا ہے ہم اسے پکڑ کر رہیں گے اور اس کا مزہ اسے ضرور چکھائیں گے۔'

ٹھیک اسی صبح اسامہ بن لادن نے اپنے باڈی گارڈ اور میڈیا مین علی البہلول کو بتایا

کہ آج کی خبریں بہت اہم ہوں گی۔ اس دن بھی القاعدہ کا مطلق العنان امیر اپنے بہترین اور قابل اعتماد باڈی گارڈز میں گھرا تھا جن کی اکثریت یمنی اور سعودی باشندوں پر مشتمل تھی۔ القاعدہ کے دوسرے ممبران کی طرح اس کے باڈی گارڈز نے بھی اس کی تنظیم کی بجائے، خود بن لادن کی اطاعت کا مذہبی حلف لے رکھا تھا (ٹھیک اسی طرح جیسے نازی پارٹی میں شامل ہونے والے نازی ازم کی بجائے ایڈولف ہٹلر سے وفاداری کا حلف لیتے تھے)۔

بن لادن نے 1988 میں القاعدہ کی بنیاد رکھی تھی اور اس دن سے اس کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا اور تنظیم میں اس کی سیادت پر کسی قسم کا سوال نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ روایتی خیال یہی ہے کہ یمنی ڈاکٹر اور القاعدہ کا دوسرے نمبر کا اہم ترین رہنما ایمن الظواہری اسامہ کا 'دماغ' تھا۔ لیکن القاعدہ کی حکمت عملی کے حوالے سے اہم ترین موڑ جو تنظیم کی تاریخ میں آئے جیسے مشرقی وسطی کی حکومتوں کی بجائے امریکہ کو دشمن نمبر ایک قرار دینا، اسامہ نے ظواہری کو نظر انداز کر دیا جسے صرف مصر کی حکومت گرانے کا خبط تھا۔ بن لادن نے ظواہری کو بھی القاعدہ کے اہم ترین آپریشن یعنی نائن الیون کے حوالے سے برسوں اندھیرے میں رکھا۔ ظواہری کو اس بارے میں 2001 کے موسم گرما میں پتہ چلا۔

اپنے پیروکاروں کے لیے اسامہ ایک ہیرو تھا، ایک ایسا ہیرو جس نے ارب پتی سعودی کے بیٹے کی شاہانہ زندگی کو تج دیا تھا۔ اور مقدس جہاد کے لیے صعوبتوں بھری اور غربت کی زندگی گزار رہا تھا۔ شخصی طور پر بھی وہ پاکباز اور جاں نثار اسلام کی زندگی گزارتا تھا۔ القائدہ کے ممبر اسامہ کو یا شیخ کے نام سے یاد کرتے اور اس کے طرز حیات کو نقل کرنے کی کوشش میں رہتے اور جب کبھی وہ اسامہ سے بات کرتے تو اس سے قبل اس سے اجازت لیتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے پیروکار اس سے واقعی محبت

کرتے تھے۔اسامہ کا ایک باڈی گارڈ ابو جندل جس کا تعلق یمن سے تھا وہ1997 میں اسامہ سے اپنی پہلی ملاقات کو 'حسین ملاقات' کا نام دیتا تھا۔اسامہ کا ایک اور باڈی گارڈ اپنے باس کو کرشاتی شخصیت قرار دیتا ہے جو اپنی سادہ باتوں سے سننے والے کا دل موہ لیتا ہو۔آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے بہت سے نوجوانوں کو ورغلایا۔

ستمبر 11 کی صبح اسامہ کے جاں نثار باڈی گارڈ اس کے گرد جمع تھے جب ان کے روحانی باپ نے قندھار شہر میں موجود اپنے بیس کیمپ کو چھوڑا اور خوست کے پہاڑی علاقوں کی طرف چلا گیا۔اسامہ کے لیے ٹی وی کا انتظام کیا گیا مگر خوست میں ٹی وی سگنل نہیں تھے،اس لیے اسامہ نے اپنا ریڈیو چلایا اور بی بی سی کی عربی خبریں سننے لگا۔

بن لادن نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر نیوز کاسٹر نے کہا کہ 'ہمیں ابھی ابھی خبر ملی ہے' تو اس کا مطلب ہے کہ 'بھائی ٹکرا چکے ہیں' مقامی وقت کے مطابق شام ساڑھے پانچ بجے بی بی سی کے اناؤنسر نے کہا: 'ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ ایک فضائی طیارہ نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا ہے'...... بن لادن نے یہ سننے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ خاموش رہیں،تھوڑی ہی دیر بعد خبر آئی کہ ایک اور طیارہ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور سے ٹکرا گیا ہے۔بن لادن کے باڈی گارڈ خوشی سے چلا اٹھے کیونکہ ان کے لیڈر نے کافروں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

جنوب میں آٹھ سو کلومیٹر کی دوری پر پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں، اسامہ کے معتمد ترین نائب بھی ٹی وی کے سامنے مجمع لگا کے بیٹھے تھے۔ان میں خالد شیخ محمد......نائن الیون آپریشن کا کمانڈر،حملوں کا کوآرڈینیٹر رمزی بن الشبہ اور امریکہ میں ہائی جیکرز کو جہاز اڑانے کی تربیت کے لیے لاکھوں ڈالر فراہم کرنے والا مصطفیٰ ہاسوائی شامل تھے۔

نائن الیون کے تین معماروں کے علاوہ وہاں ٹی وی کے سامنے القاعدہ کے اور

بھی 'بھائی' موجود تھے۔ جوں ہی یہ طیارے ٹریڈ سنٹر سے ٹکرائے یہ بھائی خوشی کے مارے رو پڑے، سجدوں میں گر گئے اور اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ رمزی بن الشبہ نے انہیں منع کیا اور کہا کہ وہ چپ رہیں اور آگے خبریں سنیں کیونکہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ پھر ایک طیارے کے پینٹا گون سے ٹکرانے کی خبر آئی اور اس کے بعد چوتھے طیارے کے پینسلوانیا میں مار گرانے کی خبر چلی۔ القاعدہ کے لوگوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور پھر رونے لگے اس بار ان کے رونے کی وجہ خوشی نہ تھی بلکہ اب وہ اپنے ان بھائیوں کی موت پر رو رہے تھے جو طیاروں کو ہائی جیک کر کے خود بھی ہلاک ہو چکے تھے۔

اسامہ بن لادن کو یقین تھا کہ نیویارک اور واشنگٹن کے حملوں کا جواب امریکہ کروز میزائل کی صورت میں دے گا جیسا کہ تین سال قبل افریقہ میں 1998 میں امریکی سفارت خانوں پر حملوں کے جواب میں کیا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس کی توقع یہ تھی کہ امریکہ اور نیٹو نے 1999 میں جس طرح سربوں پر فضائی حملے کیے تھے اس طرح کے حملے کیے جائیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ کاغذی شیر اپنے پنجے لہرائے گا مگر شکار کے لیے نہیں نکلے گا۔

واشنگٹن میں جلد ہی یہ خبر پھیل گئی کہ ڈیموکریٹک فرنٹ فار لبریشن آف فلسطین نامی فلسطینی گروپ نے ان حملوں کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ بش نے اس موقع پر مورل کو بلایا اور اس سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟

مورل نے کہا کہ ڈیموکریٹک فرنٹ فار لبریشن آف فلسطین کی اسرائیل کے خلاف حملوں کی ایک تاریخ تو ہے مگر اس کے پاس اتنی صلاحیتیں نہیں ہیں کہ وہ اس طرح کے حملے کر سکے۔

دوپہر کے وقت ائیر فورس ون لوسیانا سے اڑا اور افرٹ ائیر فورس بیس نبراسکا کی

طرف پرواز بھری جو امریکی سٹریٹیجک کمانڈ کا صدر دفتر ہے اور جہاں سے امریکا کے نیوکلئیر میزائل کا کنٹرول سنبھالا جاتا ہے۔ بش نے مورل سے پھر اس کی رائے پوچھی کہ ان حملوں کے پیچھے کون ہوسکتا ہے۔ مورل کا جواب تھا کہ ابھی تک اسے کوئی خفیہ معلومات نہیں مل سکی ہیں اس لیے جو بھی میں کہوں گا وہ صرف میری ذاتی رائے ہوگی۔ مورل نے کہا کہ دو دہشت گرد ریاستیں ایسی ہیں جو اس طرح کے پیچیدہ آپریشن کو سرانجام دے سکتی ہیں، ان میں سے ایک ہے ایران اور ایک عراق......مگر ان دونوں کو امریکہ پر حملے کے نتیجے میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہوگا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ اس حملے کی ذمہ دار کوئی غیر سرکاری تنظیم ہے اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حملوں کے سرے بن لادن کی القاعدہ سے جا ملیں گے۔

بش نے پوچھا:

'کتنی دیر تک ان حملہ آوروں کے بارے میں ہمیں حتمی طور پر معلوم ہو سکے گا'

مورل نے گذشتہ حملوں کا تخمینہ لگاتے ہوئے جواب دیا:

''1998 میں جب افریقہ میں امریکی سفارت خانوں پر حملے ہوئے تھے تو دو دن میں یہ پتہ چل گیا تھا کہ اس کے پیچھے القاعدہ کا ہاتھ تھا مگر کول بمبنگ کے واقعے کو ذہن میں رکھیں تو ہمیں مہینے لگ گئے تھے، اس لیے میں کہوں گا کہ ان حملہ آوروں کے حتمی تعین میں ہمیں بہت جلدی بھی کامیابی مل سکتی ہے اور شاید کچھ وقت بھی لگ جائے''

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ گتھی گھنٹوں میں سلجھ گئی۔ جب بش نبراسکا میں ساڑھے تین بجے شام کو جہاز سے اترا تو حملوں کے بعد پہلی بار سی آئی اے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ سے بات ہوئی۔ ٹینٹ نے بتایا کہ لگتا ہے کہ ان حملوں کے پیچھے القاعدہ کا ہاتھ ہے۔ اس شک کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ جو طیارے ٹکرائے تھے ان میں سے ایک کی مسافروں کی فہرست میں القاعدہ کے دو معروف کارندے نواف الحمزی اور خالد

المہادر بھی تھے۔ٹینٹ نے بتایا کہ گذشتہ کئی ماہ سے سی آئی اے کے تقریباً ساٹھ لوگوں کو ان دونوں کی امریکہ میں موجودگی کا پتہ تھا مگر سی آئی اے ان کے بارے میں ایف بی آئی کو مطلع کرنے میں ناکام رہی تھی۔

اگلے چند دنوں میں امریکی صدر اور اس کی جنگی کابینہ نے طالبان حکومت کو گرانے کا فیصلہ کرلیا...... یہ آپریشن اس لحاظ سے غیر روایتی تھا کہ اس میں چار سو امریکی گرین بیریٹس، سپیشل آپریشن فورسز اور سی آئے کا عملہ زمینی سطح پر شامل ہونا تھا جبکہ فضائیہ کی مضبوط معاونت انہیں حاصل ہونا تھی۔ 17 ستمبر کو صدر بش نے انتہائی کلاسیفائیڈ اختیارات سی آئی اے کو سونپتے ہوئے کہا کہ کسی بھی قیمت پر اسامہ کو پکڑو اور ضرورت پڑے تو قتل کر دیا جائے۔ اختیارات کی تفویض کا یہ مسودہ انتہائی غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ بش نے پینٹا گون میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ مجھے انصاف چاہیے۔ اور مجھے ایک پرانا سا دیوار پر لگا پوسٹر یاد آرہا ہے جس پر لکھا تھا کہ...... وانٹڈ......ڈیڈ آر الائیو۔

12 ستمبر کو ابوظہبی ٹی وی کے پاکستان میں نمائندے جمال اسمٰعیل کو اسلام آباد اس کے دفتر میں اسامہ کا یہ پیغام ملا:

''جمال! میں بعجلت گزشتہ رات افغانستان سے آیا'' پیغام میں بن لادن کی طرف سے کہا گیا تھا کہ اگرچہ میں ان حملوں کی ذمہ داری کا دعویٰ نہیں کرتا مگر تہہ دل سے ان کی توثیق کرتا ہوں۔

''ہمارا ماننا ہے کہ جو کچھ واشنگٹن یا کسی اور جگہ امریکیوں کے خلاف ہوا، یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے سزا ہے اور جن لوگوں نے بھی یہ کام کیا ہے وہ اچھے لوگ ہیں ہم ان سے مکمل اتفاق کرتے ہیں''

اسمٰعیل نے فوراً یہ پیغام ابوظہبی ٹی وی پر پڑھ دیا۔

اسمعیل جوایک فلسطینی رپورٹر تھا اور کافی عرصے سے پاکستان میں مقیم تھا...... کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ گذشتہ پندرہ سال سے اسامہ کو جانتا تھا۔ وہ اسی کی دہائی کے نصف میں جہاد میگزین کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ یہ میگزین اسامہ بن لادن کی مالی معاونت سے شائع ہوتا تھا جس میں سوویت یونین کے خلاف اس وقت لڑ رہے جنگجوؤں کے استحصال سے متعلق مواد شائع ہوتا تھا۔ اسمعیل نے انہی دنوں میں اسامہ کا تازہ ترین انٹرویو کیا تھا جو 1999 میں الجزیرہ پر اسامہ کی زندگی پر بننے والی ڈاکومنٹری میں نشر ہوا تھا۔ اسمعیل کا خیال ہے کہ نائن الیون حملوں کے بارے میں اسامہ اس وقت جو پیغام دے رہا تھا وہ ہائی جیکروں کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ جانتا تھا۔ اسمعیل کا کہنا تھا کہ اسامہ کبھی کسی غیر مسلم کی تعریف نہیں کرسکتا، اس سے مجھے شک ہوا کہ وہ ان ہائی جیکروں کے بارے میں تفصیل سے جانتا ہے۔ اسمعیل کا کہنا تھا کہ لازماً اسامہ اور ان ہائی جیکروں کے درمیان لنک موجود تھا۔

بش انتظامیہ نے فوراً طالبان سے مطالبہ کر دیا کہ وہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کر دیں۔ یہ کام کلنٹن انتظامیہ بھی اس وقت کر چکی تھی جب افریقہ میں امریکی سفارت خانوں پر حملے ہوئے تھے مگر طالبان نے یہ مطالبے ماننے سے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ قندھار میں مقیم ایک مصری ابو ولید المصری جو طالبان اور القاعدہ دونوں کے قریب تھا نے طالبان لیڈر ملا عمر کو کہتے سنا 'میں کسی مسلمان کو کبھی کافروں کے حوالے نہیں کروں گا'۔

ملا عمر طالبان کے اندرونی حلقے کو بتا رہا تھا کہ:

'اسلام کہتا ہے کہ جب کوئی مسلمان تم سے پناہ طلب کرے اسے پناہ دو اور کبھی اسے دشمن کے حوالے نہ کرو۔ اور ہماری افغان روایت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دشمن بھی پناہ مانگے تو اسے پناہ دو۔ اسامہ نے جہاد افغانستان میں مدد کی ہے، وہ برے دنوں

میں ہمارے ساتھ رہا ہے اور میں اسے کسی کے حوالے نہیں کروں گا'
مشہور پاکستانی صحافی رحیم اللہ یوسفزئی نے نائن الیون سے پہلے اور بعد میں فون پر اور بالمشافہ اسامہ کے متعدد انٹرویو کیے۔ وہ بتاتے ہیں کہ طالبان لیڈر اسامہ کو امریکہ کے حوالے نہ کرنے کے حوالے سے پرعزم تھا، ملا عمر کے حوالے سے یوسفزئی نے بتایا:
'میں تاریخ میں کسی ایسے شخص کے طور پر نہیں جانا جانا چاہتا جس نے اپنے مہمان سے غداری کی ہو۔ میں اپنی جان دے دوں گا، سلطنت لٹا دوں گا لیکن چونکہ میں اسامہ کو پناہ دے چکا ہوں اس لیے اب میں اسے یہاں سے نہیں نکال سکتا'
ملا عمر خوابوں کی تعبیر پر بہت یقین رکھنے والا شخص تھا، ایک بار اس نے یوسفزئی سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی وائٹ ہاؤس دیکھا ہے کیونکہ میرے بھائی نے اپنے خواب میں اسے جلتے دیکھا ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔ ملا عمر کو یہ بھی یقین تھا کہ اگر اسامہ کو امریکہ کے حوالے نہ کرنے پر حملے کی جو دھمکیاں دی جا رہی ہیں وہ کھوکھلی ہیں۔ پاکستان میں طالبان کے سفیر ملا ضعیف کا کہنا ہے کہ ملا عمر کو یقین تھا کہ امریکہ افغانستان پر حملہ نہیں کرے گا اور امریکہ خالی دھمکیاں دے رہا ہے مگر ضعیف نے اس بات سے اتفاق نہ کیا اور ملا عمر کو بتایا کہ امریکہ لازماً افغانستان پر حملہ کرے گا۔
ملا عمر کی مذہبی جنونیت قابل پیشگوئی تھی۔ جب وہ اقتدار میں آیا تو اس نے خود کو امیر المومنین قرار دے دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صرف طالبان کا ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں کا لیڈر ہے۔ تاریخ اسلامی لیڈر کے مقام کو پانے کے لیے 1996 میں ملا عمر نے پیغمبر اسلام کا وہ جبہ بھی زیب تن کیا جو قندھار میں موجود بتایا جاتا ہے اور جسے کبھی سرعام لوگوں کے سامنے نہیں لایا گیا۔ ملا عمر یہ لباس پہن کر ایک عمارت کی چھت پر کھڑا ہو گیا جبکہ نیچے سینکڑوں طالبان خوشی سے چیخ رہے تھے۔
طالبان لیڈر بمشکل پڑھ لکھ سکتا ہے اور صوبائی نوعیت کا آدمی۔ پانچ سال

افغانستان پر حکومت کرنے والا یہ شخص شاذ ہی ملکی دارالخلافے کابل گیا کیونکہ وہ اسے گمراہ اور گناہوں میں ڈوبا شہر مانتا تھا۔ ریڈیو شریعہ کے علاوہ افغانستان میں کوئی پریس نہیں تھا جو آواز اٹھاتا ۔ یوں باہری دنیا کے بارے میں ملا عمر کا کوئی نقطہ نظر ہی نہ تھا۔ وہ غیر مسلموں سے ملاقات تک کرنے سے گریز کرتا تھا۔ وہ خود کو ایسا شخص سمجھتا تھا جسے خدا نے خاص مشن کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے اور تاریخ عالم میں ایسے شخص کے ساتھ مذاکرات کبھی حوصلہ افزا نہیں رہے تھے۔ اسامہ کے معاملے کو ملا عمر نے اسی طرح ہینڈل کیا جس طرح کافی ماہ پہلے بامیان کے مسئلے کو ہینڈل کیا گیا تھا۔ بامیان میں موجود بدھا کے مجسمے سیاحوں کی دلچسپی کی اہم ترین چیزیں تھیں جو افغانستان میں موجود تھیں ۔ یہ مجسمے چنگیز جیسے منگول اور اس کے بعد آنے والے کتنے ہی حملہ آوروں سے محفوظ رہے تھے۔ مئی 2001 میں القاعدہ کے زیر اثر طالبان نے اعلان کیا کہ وہ یہ مجسمے دھماکہ خیز مواد کے ذریعے اڑا دینگے۔

متعدد مسلم ملکوں سمیت دنیا کے کئی ملکوں نے طالبان سے درخواست کی کہ ثقافت کی علامت ان مجسموں کو نہ گرایا جائے۔ ان درخواستوں کا اثر یہ ہوا کہ ملا عمر کا ان مجسموں کو گرانے کا عزم اور پختہ ہو گیا۔ ایک پاکستان وفد ملا عمر سے ملنے گیا تو ملا عمر نے انہیں بتایا کہ صدیوں سے ہو رہی بارشوں کی وجہ سے ان مجسموں کی بنیاد میں بڑے بڑے سوراخ ہو گئے ہیں جو خدا کی طرف سے اشارہ ہے کہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں تم ان بتوں کو توڑنے کے لیے ڈائنا مائیٹ لگاؤ۔

بن لادن قندھار سے بامیان بذریعہ ہیلی کاپٹر پہنچا تاکہ ان مجسموں کو گرتا دیکھ سکے۔ اس نے اور اس کے چیلوں نے اپنے جوتے اتار کر بدھا کے سروں پر پھینکے۔ جب اسامہ بامیان میں تھا اور طالبان اس بچ جانے والے مجسمے کو جو ڈائنا مائیٹ سے مکمل طور پر تباہ نہ ہو سکا تھا، پر میزائل داغنے کی تیاری کر رہے تھے۔ بن لادن نے اس

موقع پر ملا عمر کو جو خط لکھا اس میں کہا گیا تھا بدھ کے مجسموں کو زمیں بوس کرنے پر میری طرف سے مبارکباد...... اور جس طرح آپ نے مردہ، اندھے، گونگے اور بہرے خدا (بدھا کے مجسمے) کو توڑا ہے اسی طرح خدا آپ کو دنیا کے جھوٹے خداؤں جیسے اقوام متحدہ کو بھی تباہ کرنے میں کامیابی دے گا۔

نائن الیون کے ایک ہفتہ بعد ملا عمر نے سینکڑوں عالموں کو کابل میں جمع کیا تا کہ وہ اسامہ بن لادن کے حوالے سے اپنی رائے دے سکیں۔ اس اجلاس میں ملا عمر نے خود شرکت نہ کی مگر اپنے پیغام میں اجلاس کے شرکا سے کہا کہ اگر امریکہ نائن الیون کے حملوں میں اسامہ کی شرکت کے شواہد طالبان کے حوالے کر دے تو اس پر اسامہ کی قسمت کا فیصلہ ایک مذہبی افغان سکالروں پر مشتمل کمیٹی کرے گی۔ افغانستان بھر کے علما کے اس دوروزہ اجلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علما کونسل نے کہا کہ جنگ ٹالنے کے لیے اسامہ رضا کارانہ طور پر افغانستان چھوڑ دیں۔ یقیناً بن لادن اس درخواست کو منظور نہیں کر سکتا تھا۔

ٹھیک اس وقت جب افغانستان میں علما کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا امریکی حکام کو یمنی شہر صنعا میں اسامہ کی تلاش کی حوالے سے پہلا اشارہ ملا۔ 17 ستمبر کو ایف بی آئی کے سپیشل ایجنٹس علی سوفان اور رابرٹ میکفاڈن نے برسوں اسامہ کے باڈی گارڈ رہنے والے ناصر احمد ناصر البہری المعروف ابوجندل سے پوچھ گچھ شروع کی جو یمن کی ایک جیل میں قید تھا۔ ایف بی آئی کی اس تفتیشی رپورٹ نمبر 302 کے مطابق ابوجندل کی معلومات کافی اہم تھیں خاص طور پر 1996 کے بعد سے اسامہ اور اس کی ساتھیوں کی افغانستان میں نقل وحرکت کے حوالے سے کافی اہم باتیں اس سے معلوم ہوئیں، القاعدہ کی تاریخ کے اس دور سے متعلق پہلے انتہائی کم معلومات تھیں۔ سوفان نے مجھے بتایا کہ ابوجندل نے مجھے درجنوں نام بتائے، القاعدہ کے تنظیمی ڈھانچے کے بارے

میں بتایا اور کون لوگ کن عہدوں پر کام کر رہے تھے اور تنظیم کا ممبر بننے کے لیے کن چیزوں کی ضرورت تھی، اس بارے میں آگاہی دی۔ اس نے تصویروں میں سے آٹھ ایسے لوگوں کو شناخت کیا جو نائن الیون حملوں میں ملوث تھے اور اسامہ کے درجنوں باڈی گارڈز کے نام بتائے جو ایس اے ایم 7 میزائل، روسی مشین گنوں، راکٹ سے چھوڑے جانے والے گرنیڈز سے مسلح رہتے تھے۔ اس نے بتایا کہ عموماً اسامہ درجن بھر باڈی گارڈز کے ساتھ تین ٹویوٹا پک اپ ٹرکس میں سفر کرتا ہے، ہر گاڑی میں پانچ مسلح باڈی گارڈ ہوتے تھے جن کے پاس مشین گنیں، مارٹر گنیں، بارودی سرنگیں، سنائپر رائفلیں، زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل اور طالبان اور القاعدہ کو حاصل راڈار سہولتیں شامل تھیں۔

ابو جندل سے تفتیش کاروں کو جو اہم معلومات ملیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ القاعدہ اور طالبان کو سوویت کے خلاف جنگ میں جو امریکی سٹنگر میزائل ملے تھے ان کی بیٹریاں ختم ہونے والی تھیں۔ امریکی فوجی منصوبہ سازوں کے لیے یہ اہم معلومات تھیں کیونکہ وہ افغانستان میں داخل ہونے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

آئندہ کئی ہفتوں تک بش انتظامیہ نائن الیون حملوں کے ردعمل میں منصوبہ بندی کرتی رہی۔ سی آئی اے نے طالبان اور القاعدہ کے درمیان فاصلے پیدا کرنے کے لیے خفیہ طور پر کوششیں شروع کر دیں۔ ایجنسی کو یہ بات معلوم تھی کہ متعدد طالبان لیڈر اسامہ بن لادن کی حرکتوں سے جو وہ عالمی سٹیج پر کر رہا تھا اس سے بیزار تھے۔ پاکستان میں سی آئی اے کے سٹیشن چیف رابرٹ گرینیر کے پاس کچھ ایسی اطلاعات بھی تھیں کہ طالبان قائدین میں ملا عمر کے بعد موثر ترین شخص ملا اختر محمد عثمانی، اسامہ کا کوئی زیادہ مداح نہیں تھا۔ گرینیر کے مطابق اسامہ کوشش میں تھا کہ اپنے مالی وسائل سے طالبان کے اندر وہ اپنے وفاداروں کی تعداد بڑھا سکے۔

ستمبر کے آخری دنوں میں گرینیر پاکستانی صوبے بلوچستان گیا جہاں اس کی ملا عثمانی سے خفیہ ملاقات ہوئی۔ ملا عمر نے خود اس ملاقات کی اجازت دی تھی۔ سرینا ہوٹل کوئٹہ میں ہوئی ملاقات میں گرینیر نے طالبان لیڈر کو بتایا کہ امریکی آ رہے ہیں اور اس خطرے سے بچنے کے لیے تمھیں کچھ کرنا ہوگا۔

ملا عثمانی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا: ''میں تم سے اتفاق کرتا ہوں، ہمیں ضرور کچھ کرنا چاہیے، اس بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟''

گرینیر نے عثمانی کو اس موقع پر پیشکش دی وہ کچھ یوں تھی:

''امریکی فوجیں ایک خفیہ مشن کے ذریعے بن لادن کو پکڑیں گی، اور اس دوران طالبان اپنا رخ دوسری طرف رکھیں گے، یہ ایک سادہ سی بات ہے، ہمیں تم وہ کرنے دو جو ہمیں کرنا ہے، راستے سے ہٹ جاؤ، جب آدمی غائب ہو جائیگا، تو تم لوگ اس آپریشن سے مکمل لاعلمی کا اظہار کر سکتے ہو''

ملا عثمانی نے جواب میں کہا:

''میں واپس جا کر ملا عمر سے اس پیشکش کے بارے میں بات کروں گا۔''

2 اکتوبر کو گرینیر ایک بار پھر کوئٹہ میں ملا عثمانی سے ملا اور اس بار پہلے سے بھی زیادہ دلیرانہ پیشکش کی جو کچھ یوں تھی:

''سی آئی اے ملا عمر کے خلاف فوجی بغاوت میں مدد کرے گی، ملا عمر کے ہٹا دیے جانے کے بعد اسامہ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے گا، ملا عمر کی جگہ ملا عثمانی لے لے گا، ملا عمر کی ابلاغی صلاحیتیں ختم کر دی جائیں گی اور تمام ریڈیو سٹیشنز پر قبضہ کر کے اعلان کیا جائے گا کہ ہم طالبان حکومت کو بچانے کے لیے ناگزیر اقدامات کر رہے ہیں کیونکہ عربوں نے اچھے مہمان ہونے کی ذمہ داریاں نہیں نبھائی ہیں اور تشدد کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ عربوں کو اب اس ملک میں مزید خوش آمدید نہیں کہا جائے

گا اور وہ فوراً ملک چھوڑ کر نکل جائیں۔"

ملا عثمانی نے یہ تمام منصوبہ بڑے غور سے سنا اور کہا:

"یہ تمام آئیڈیا بڑا دلچسپ ہے۔ میں اس پر غور کروں گا۔ ہم رابطے میں رہیں گے اور ایک دوسرے سے بات کرتے رہیں گے۔"

ملا عثمانی اس سارے خیال پر برا پر جوش تھا، اس نے سی آئی اے افسر کے ساتھ پر تعیش لنچ کیا۔ اور آخر میں اگرچہ ملا عثمانی نے فوجی قبضے کے آئیڈیا کو غور سے نہیں دیکھا مگر گرینیر کو لگا کہ شاید عثمانی طالبان کے مجموعی لیڈر کے طور پر خود کو نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

اس عرصے میں اسامہ قندھار میں اپنے ہیڈ کوارٹر اور کابل میں القاعدہ کے گیسٹ ہاؤس کے درمیان چکر لگا رہا تھا۔ جب یہ بات یقینی ہوگئی کہ امریکہ افغانستان پر حملے کے لیے پر تول چکا ہے تو 3 اکتوبر کو اسامہ نے ملا عمر کو ایک خط لکھا اور اس حالیہ سروے کی بابت اسے بتایا جس میں کہا گیا تھا کہ نائن الیون حملوں کے بعد دس میں سے سات امریکی نفسیاتی مسائل کا شکار ہیں۔ اس خط میں اسامہ نے ملا عمر کو بتایا امریکہ کا افغانستان پر حملہ اس کی تباہی کی بنیاد بن جائے گا، جس سے امریکی معیشیت پر بے تحاشا بوجھ پڑے گا اور امریکہ کے پاس بھی سوویت یونین کی طرح کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ افغانستان سے نکل جائے اور ٹوٹ جائے۔

7 اکتوبر کو جب ہوائی فوج نے طالبان کے ٹھکانوں پر حملے شروع کیے، اس وقت اسامہ بن لادن اعلیٰ طالبانی حکام میں شامل ملا منصور سے ملاقات کر رہا تھا۔ بن لادن اور اس کے ساتھیوں نے جلدی سے کابل کی راہ لی، کیونکہ وہاں طالبان کی قیادت بہت کم تھی اور عام شہری آبادی زیادہ ہونے کی وجہ سے امریکی حملے کا خطرہ بھی کم تھا۔ ٹھیک اسی دن القاعدہ کے لیڈر کا ایک حیران کن ویڈیو پیغام منظر عام پر آیا جو پوری دنیا میں سنا گیا۔ کیموفلیج جیکٹ پہنے اور ساتھ میں سب مشین گن رکھے اسامہ نے نائن

الیون حملوں کے بعد پہلے عوامی بیان میں کہا کہ یہ حملہ بدلہ تھا اس تذلیل کا جو مغربی دنیا کافی عرصے سے مسلم دنیا کی کر رہے ہیں۔

بن لادن نے کہا:

''یہ ہے امریکہ، جس پر خدا نے اس کے کمزور ترین مقام پر حملہ کیا ہے، اس کی شاندار اور عظیم عمارتیں زمیں بوس ہو چکی ہیں۔ اس کے لیے ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ ہے امریکہ جو جنوب سے شمال اور مغرب سے مشرق تک اپنے ملک میں خوفزدہ ہے، اس کے لیے ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جو امریکہ آج چکھ رہا ہے وہ اس تحقیر و تذلیل کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو ہماری قوم یعنی مسلم دنیا پچھلے 80 سال سے جھیل رہی ہے''

ان حملوں کی مکمل توثیق کے باوجود اسامہ کا ابتدائی موقف یہی تھا کہ وہ ان حملوں میں ملوث نہیں تھا۔ مثال کے طور پر ستمبر کے آخری دنوں میں القاعدہ لیڈر نے ایک پاکستانی اخبار کو بتایا:

''بطور مسلمان میری ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ جھوٹ نہ بولوں، مجھے ان حملوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے'' مگر حقیقت یہ ہے کہ اسامہ کا موقف سوچ سمجھ کر دیا گیا تھا کیونکہ اگر اسامہ یہ تسلیم کر لیتا کہ ان حملوں میں وہ ملوث ہے تو ملا عمر کے پاس کوئی چارہ نہ رہ جاتا کہ وہ اسے امریکہ کے حوالے نہ کرتا۔ مگر اس انکار کے باوجود اسامہ کی انا نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ ان حملوں کا ذرا سا بھی کریڈٹ نہ لیتا جنہیں وہ اپنی سب سے بڑی کامیابی بھی سمجھتا تھا۔ اور جب امریکہ نے افغانستان میں طالبان کے ٹھکانوں پر حملے شروع کر دیے تو آہستہ آہستہ اسامہ نے ان حملوں کی ذمہ داری قبول کرنا شروع کر دی۔

تیسیر الونی الجزیرہ ٹی وی کا واحد نمائندہ تھا جسے طالبان نے نائن الیون کے بعد

ایک سال تک افغانستان میں کام کرنے کی اجازت دی۔21 اکتوبر کو اسامہ نے الونی کو ایک طویل انٹرویو دیا۔الجزیرہ نے اگرچہ آج تک اس امر کی وضاحت نہ کی کیوں وہ انٹرویو ایک سال تک نشر نہ کیا گیا۔ایک بار الجزیرہ نے اس کی وضاحت کی کہ انٹرویو اس لیے نشر نہ کیا کہ اس میں خبریت نہ تھی اور یہ ایک ایسی وضاحت تھی جو بچگانہ ہی کہی جا سکتی ہے۔نائن الیون کے بعد یہ اسامہ کا پہلا انٹرویو تھا اور یہ وہ وقت تھا کہ اسامہ کا نام فون بک میں مل جانا بھی ایک بڑی خبر تصور کی جاتی تھی۔یوں لگتا ہے کہ قطر کا شاہی خاندان جو الجزیرہ ٹی وی کا مالک تھا اس نے بش انتظامیہ کے دباؤ میں آ کر اس انٹرویو کو نشر نہ کیا۔کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب بش کے اہلکار امریکی نشریاتی اداروں پر بھی دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ بن لادن کے پروپیگنڈے کو نشر نہ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ الجزیرہ کا انٹرویو بہت اہم اور خبریت سے بھرپور تھا، جیسا کہ تین ماہ بعد واضح ہو گیا جب سی این این نے یہ انٹرویو حاصل کیا اور الجزیرہ کی منظوری کے بغیر اسے نشر کر دیا۔ دوران انٹرویو اسامہ پرسکون تھا اور پہلی بار اس نے سرعام یہ بات تسلیم کی کہ نائن الیون حملوں میں اس کا ہاتھ تھا۔الونی نے اس انٹرویو میں پوچھا:

''امریکا کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ نیویارک اور واشنگٹن میں ہوا اس میں آپ کا ہاتھ ہے، آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟'' اور بن لادن کا جواب تھا:

''اگر لوگوں کو اس بات پر ابھارنا دہشت گردی ہے، اگر ان کو قتل کرنا دہشت گردی ہے جو ہمارے بچوں کو قتل کر رہے ہیں، تو تاریخ ہماری منصف ہے کہ ہاں ہم دہشت گرد ہیں......ہم 'اچھی' دہشت گردی کرتے ہیں''

اس کے بعد الونی نے ایک اور اہم سوال کیا:

''بے گناہ شہریوں کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟'' بن لادن نے جواب دیا:

''وہ لوگ جن کی مدد خدا نے کی [11 ستمبر کو] بچوں کو مارنے کے ارادے سے نہیں گئے تھے، وہ دنیا کی مضبوط ترین فوجی قوت کو تباہ کرنے کے ارادے سے گئے تھے، وہ پینٹاگون کو اڑانے گئے تھے..... [ورلڈ ٹریڈ سنٹر] بچوں کا سکول نہیں تھا''

بن لادن نے الجزیرہ ٹی وی کے نمائندے کو بتایا کہ ان حملوں کے نتائج کیا نکلے، وال سٹریٹ کے سٹاکس 16 فیصد گرے، فضائی کمپنیوں نے ایک لاکھ ستر ہزار ملازم فارغ کیے، اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل نے بیس ہزار ملازموں کو فارغ کیا۔

نائن الیون حملوں کے کچھ ہفتوں بعد القاعدہ کے میڈیا آرم کی تیار کردہ فلم میں اسامہ نے بتایا کہ وہ ان حملوں کی پروپیگنڈہ اہمیت سے بخوبی واقف ہے، اسامہ نے کہا کہ ان ہائی جیکروں نے اپنے عمل کی زبان میں وہ کچھ کہا جو دنیا بھر میں ہونے والی تقریروں پر بھاری تھیں، یہ تقریر اس زبان میں تھی جس عرب بھی سمجھتے ہیں اور غیر عرب بھی، یہاں تک کہ چینی بھی......اسامہ نے کہا کہ نائن الیون کے بعد ہالینڈ جیسے ملکوں میں بھی اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔

یہاں سے اسامہ اساطیری دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اپنے حامیوں کے لیے وہ امیر جہاد تھا، وہ جان بوجھ کر پیغمبر اسلام کی نقالی کر رہا تھا جن پر قرآن کی پہلی وحی غار میں اتری تھی، بن لادن نے بھی اپنے پہلے ویڈیو پیغام افغانستان کی غاروں سے جاری کیے۔ بن لادن کی حمایت میں پاکستان میں ہزاروں لوگوں پر مبنی ریلیاں نکلیں اور پوری مسلم دنیا میں اس کی تصویر کی شرٹیں نظر آنے لگیں۔ اپنے مخالفین، جن میں مسلمان بھی شامل تھے، اسامہ ایک برائی تھی جس نے دنیا کا دارالحکومت سمجھے جانے والے شہر میں ہزاروں کا قتل کیا تھا۔ لیکن چاہے آپ اس کی تعریف کریں یا اس سے نفرت کریں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان چند لوگوں میں سے ایک ہے جس نے جدید دنیا کی تاریخ کی سمت بدل کر رکھ دی۔

طالبان حامی پاکستانی اردو اخبار اوصاف کے مدیر حامد میر کے لیے نائن الیون حملوں کے بعد اسامہ ایک فطری انتخاب تھا کہ جس کا پرنٹ انٹرویو شائع کیا جاتا۔ 6 نومبر کو حامد میر کو اسلام آباد سے کابل لے جایا گیا تا کہ وہ اسامہ کا انٹرویو کر سکے۔ اسے کابل لے جاتے ہوئے آنکھوں پر پٹی باندھی گئی اور ایک قالین میں لپیٹ کر گاڑی میں لے جایا گیا۔ 8 نومبر کو حامد میر القاعدہ کے ایک سیف ہاؤس میں پہنچا۔ قبل ازیں حامد میر کو شبہات تھے کہ اسامہ کا ہاتھ نائن الیون حملوں کے پیچھے ہے مگر جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں اسامہ کا انٹرویو لیا گیا تو وہاں سرکردہ ہائی جیکر محمد عطا کی تصویر دیکھ کر اس کا خیال بدلنا شروع ہو گیا۔

اس بات سے بے خبر کے چند دن بعد ہی سقوط کابل ہونے جا رہا تھا، اسامہ اس ملاقات میں پر جوش تھا۔ اس نے گوشت اور زیتون کے ساتھ صحت بخش ناشتہ کیا۔ سعودی دہشت گرد لیڈر نے آف دی کیمرہ نجی طور پر ہر چیز کو تسلیم کیا، اس نے حامد میر کے ٹیپ ریکارڈر کو بند کیا اور کہا:

'ہاں! میں نے یہ سب کیا......اب تم اپنا ٹیپ ریکارڈر چلا لو'

جوں ہی میر نے اپنا ٹیپ ریکارڈر چلایا تو اسامہ نے کہا:

''نہیں، میں ان حملوں کا ذمہ دار نہیں ہوں''

جب حامد میر نے اسامہ سے پوچھا کہ اتنے سارے بے گناہ شہریوں کی موت کو وہ کیسے بجا کہہ سکتے ہیں تو بن لادن نے جواب دیا:

''امریکہ اور اس کے اتحادی فلسطین، چیچنیا، کشمیر اور عراق میں قتل عام کر رہے ہیں، بدلے میں مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ امریکہ پر حملے کریں۔''

حامد میر نے اسامہ سے پوچھا کہ وہ اس بارے میں کیا کہیں گے کہ وہ ایٹمی اور کیمیائی ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ القاعدہ لیڈر نے اس سوال کے

جواب میں کہا:

''میری خواہش ہے کہ امریکہ ہمارے خلاف کیمیائی اور ایٹمی ہتھیار استعمال کرے، اس کے بعد ہم بھی کیمیائی اور ایٹمی ہتھیاروں سے اس کا جواب دیں گے۔ ہمارے ہتھیار ڈیٹرنٹ کے طور پر ہیں''۔ میر نے سوالات کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے پوچھا: ''یہ ہتھیار آپ لوگوں نے کہاں سے حاصل کیے''۔

اسامہ کا جواب تھا: ''اگلا سوال کرو''

انٹرویو ختم ہوا تو حامد میر نے اسامہ کے نائب ایمن الظواہری کے ساتھ چائے پی اور اس دوران اس سے پوچھا:

''اس بات پر یقین کرنا مشکل ہے کہ آپ کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں؟''

ظواہری نے جواب دیا:

''مسٹر میر! یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے......اگر آپ کے پاس تیس ملین ڈالر ہوں تو آپ با آسانی وسطی ایشیا کی بلیک مارکیٹ سے ایٹمی سوٹ کیس بم لے سکتے ہیں[سابقہ سوویت ریاستیں]''

القاعدہ کا یہ دعویٰ انتہائی احمقانہ تھا۔ القاعدہ کے پاس کبھی بھی ایٹمی ہتھیاروں کے قریب کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اور ایٹمی سوٹ کیس بموں اور روسی بلیک مارکیٹ نام کی چیزیں صرف ہالی ووڈ فلموں میں تھی، حقیقت کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس دعوے کا کیا مقصد تھا؟ یہ ایک طرح کا نفسیاتی جنگ کا حربہ تھا، بش انتظامیہ کو افغانستان پر حملوں سے روکنا اس جھوٹے دعوے کا مقصد تھا۔ ظواہری خاص طور پر اس بات سے آگاہ تھا کہ امریکی نیشنل سکیورٹی انتظامیہ تباہ کن ہتھیاروں کے حوالے سے بہت حساس تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دو سال قبل ظواہری نے القاعدہ کا حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں کا پروگرام شروع کرنے کا اعلان کیا تھا جو انتہائی بچکانہ اور بغیر مالی وسائل

کے تھا کیونکہ امریکہ کو ان ہتھیاروں کے بارے میں خدشات تھے۔

اس وقت جب حامد میر القاعدہ لیڈروں کے انٹرویو کررہا تھا ایک اور آؤٹ سائڈر پاکستانی سرجن ڈاکٹر امیر عزیز نے القاعدہ کے اندرونی سرکل کے بہت سے اہم لیڈروں کو ملنے کا دعویٰ کیا۔ ڈاکٹر عزیز القاعدہ کا ہمدرد تھا جس نے 1999 میں اسامہ کی کمر کا علاج بھی کیا تھا، اسے نومبر 2001 میں کابل بلایا گیا تا کہ محمد عطف کا علاج کر سکے، عطف مصر کا سابق پولیس مین تھا اور القاعدہ کا ملٹری لیڈر تھا۔ عطف کا معائنہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز کی ایک بار پھر اسامہ بن لادن سے ملاقات ہوئی۔ کئی سال تک یہ خبریں گردش میں رہیں کہ القاعدہ لیڈر کو گردوں کی بیماری ہے مگر ڈاکٹر عزیز ان خبروں کو غلط قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی صحت بہت بہترین ہے، وہ چل پھر رہا ہے اور وہ صحت مند ہے۔ مجھے ان میں گردوں کی کسی بیماری کے شواہد نہیں ملے نہ ہی ڈایالائسس کے کوئی شواہد ملے ہیں۔

جوں ہی افغانستان میں امریکی بمباری شدید ہوئی اور امریکی سپیشل دستے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں شمالی افغانستان میں اترنے لگے تو اسامہ نے فرار کے ہنگامی منصوبوں پر کام کرنا شروع کر دیا۔ نائن الیون حملوں کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اسامہ کے ذہن میں یہ پہلو نہیں تھا۔ اکتوبر کے وسط میں اسامہ طالبان کے موثر ترین جنگجو کمانڈر جلال الدین حقانی سے ملا۔ حقانی کو اسامہ سوویتوں کے خلاف ہوئی لڑائی کے دنوں سے جانتا تھا۔ دونوں نے بیٹھ کر طویل گوریلا جنگ کے موضوع پر بحث کی...... کافر امریکہ کے خلاف گوریلا جنگ جس طرح کی وہ روسیوں کے ساتھ لڑ چکے تھے۔ حقانی کو یقین تھا کہ امریکی راحت پسند قوم ہیں جو طویل محاذ پر نہیں لڑ سکتے۔ اسی وقت سوویتوں کے خلاف لڑنے والے ایک اور وار لارڈ یونس خالص نے اسامہ کو دعوت دی کہ وہ مشرقی افغانستان کے علاقے جلال آباد آجائیں جو اس کا علاقہ تھا۔ یہ

وہ علاقہ ہے جہاں مراجعت کرتے ہوئے اسامہ نے تورا بورا میں آخری لڑائی لڑی۔

ٹھیک اسی دن جس دن حامد میر نے اسامہ کا انٹرویو لیا، اسامہ نے از بک جنگجو، جو انہی دنوں امریکہ کے فضائی حملے میں مارا گیا تھا اس کی یاد میں ہوئی تقریب میں شرکت کی۔ اگلے دن شمالی افغانستان کے سب سے بڑے شہر مزارِ شریف پر شمالی اتحاد اور چھوٹے سے امریکی سپیشل جتھے کا قبضہ ہو گیا۔ 24 گھنٹے بعد اسامہ کا سلامتی امور کا مشیر ڈاکٹر امین الحق جلال آباد کے مضافات میں قبائلی سرداروں سے ملا اور ہر سردار کو 10000 امریکی ڈالر اور ایک ایک گھوڑا دیا، جس کے بدلے میں قبائلی سرداروں نے القاعدہ کے ان ممبران کو پناہ دینے پر اتفاق کیا جو جلد ہی پاکستان کے بارڈر پر موجود شہر جلال آباد کا رخ کرنے والے تھے۔

12 نومبر کو کابل پر بھی شمالی اتحاد کا قبضہ ہو گیا۔ اسامہ اور اس کے ساتھی فوراً جلال آباد فرار ہو گئے۔

چند دن بعد محمد عطف امریکی ڈرون حملے میں مارا گیا۔ عطف صرف القاعدہ کا ملٹری کمانڈر ہی نہ تھا بلکہ اسامہ کا چیف ایگزیکٹو افسر بھی تھا جو 24 گھنٹے القاعدہ کے عملے اور آپریشنز کی نگرانی کرتا تھا۔ وہ 1988 میں القاعدہ کے قیام سے لیکر آخری دم تک اسامہ کا قریبی ساتھی رہا تھا۔ القاعدہ کا ایک سعودی ممبر عطف کی موت کو گہرا صدمہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ القاعدہ کا اگلا متوقع سربراہ تھا۔

سکیورٹی خدشات کے پیش نظر بن لادن کے داماد معتز نے اسامہ کی تین بیویوں اور اسکے متعدد کم عمر بچوں کو قندھار سے نکال کر پاکستان روانہ کر دیا۔

نائن الیون کے دو ماہ بعد بن لادن اپنے فوجی کمانڈر کو کھو چکا تھا، اسکے خاندان کے افراد فرار ہو کر دوسرے ملکوں کو جا چکے تھے اور جس حکومت نے اسے پناہ دی تھی وہ خود آخری سانسوں پر تھی۔ امریکہ کو عرب دنیا سے علیحدہ کرنے کی بجائے اسامہ کو اب

امریکی بمباری اور شمالی اتحاد کی تازہ دم فوج، انتہائی متاثر کن امریکی سپیشل فورسز اور سی آئی اے حکام کا سامنا تھا۔ تباہی کا درجہ اتنا بلند تھا کہ اسامہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اب اس کے سامنے صرف ایک عملی منصوبہ تھا......تورا بورا کا فرار، وہ جگہ جس سے وہ اسی کی دہائی سے گہرا آشنا تھا، جہاں وہ آخری لڑائی لڑتا اور پھر کسی اور دن پر لڑائی کو موخر کر کے وہاں سے فرار ہوتا۔

2۔تورابورا

پسپائی کے باوجود اسامہ کا عزم غیر متزلزل تھا۔جلال آباد میں القاعدہ کے لیڈر اور پیدل سپاہی جمع ہوئے جہاں اسامہ نے اپنے آدمیوں اور مقامی حامیوں کے سامنے ایک پر جوش تقریر کی۔17 نومبر، رمضان کے مقدس مہینے کی آمد کے ساتھ ہی اسامہ، ظواہری اور باڈی گارڈز پر مبنی ایک ٹولے نے پتھروں سے اٹے راستے پر تین گھنٹے کا سفر کیا اور تورابورا کے پہاڑوں میں جا پہنچے جہاں کے غاروں میں چھپ کر انہوں نے امریکی مقابلے کا سامنا کرنا تھا۔

تورابورا گوریلا جنگ کے لیے آئیڈیل محاذ تھا۔80 کی دہائی میں افغان مجاہد حملے کر کے تورابورا میں ہی چھپا کرتے تھے۔اسامہ نے روسیوں کے خلاف اپنی پہلی لڑائی بھی 1987 میں تورابورا سے بیس میل دور وادی ججی میں لڑی تھی۔تورا بورا پر روسی ہزاروں سپاہیوں، درجنوں گن شپ ہیلی کاپٹروں، اور متعدد مگ لڑا کا جیٹس کے ذریعے حملہ آور ہوئے تھے مگر اس علاقے میں غار اتنی مضبوط ہیں کہ صرف 100 سے کچھ زیادہ افغانوں نے اس حملے کو پسپا کر دیا تھا۔

1987 میں بن لادن نے ججی سے جلال آباد کی طرف ایک سڑک تیار کی تھی، جو اس وقت روسی قبضے میں تھی، یہ سڑک براہ راست تورابورا کے پہاڑوں میں داخل ہوتی

تھی۔سڑک کی یہ تعمیر ایک مشکل کام تھا جس کے لیے تعمیرات کا بزنس کرنے والے اس کے خاندان نے بھاری بلڈوزر فراہم کیے تھے۔سڑک کی تعمیر پر چھ ماہ کا عرصہ لگا۔

جب1996 میں اسامہ کو سوڈان سے نکالا گیا تو اس نے تورا بورا کے رہائشی علاقے میلاوہ پر قیام کا فیصلہ کیا تھا جو پہاڑوں کے اوپر ایک رہائشی مقام ہے اور جہاں افغانی طرز کے گارے سے بنے گھر ہوتے ہیں۔تورا بورا قیام کے حوالے سے وہ اپنے ملنے والوں سے کہا کرتا تھا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں میں خود کو محفوظ تصور کرتا ہوں، جب میں یہاں ہوتا ہوں تو میں حقیقی معنوں میں اپنی زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔میلاوہ میں اسامہ اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ تمام دن ہائکنگ کرتا اور اپنے بیٹے کو خبردار کرتے ہوئے بتاتا تھا:

''نہ معلوم کس دن جنگ شروع ہو جائے، اس لیے ان پہاڑوں سے باہر جانے کے راستوں کے بارے میں ہمیں معلوم ہونا چاہیے''

ججی کی لڑائی کے ایک دہائی بعد بن لادن تورا بورا سے اپنی گہری شناسائی کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔جب اسامہ کو یقین ہو گیا کہ امریکہ افغانستان پر حملہ آور ہوگا تو اس نے تورا بورا کو ایک ایسی جگہ کے طور پر سوچنا شروع کر دیا تھا جو اس کا آخری محاذ ہوتی جیسا کہ روسیوں کے خلاف جنگ میں وہ ثابت ہو چکی تھی۔1987 میں ججی میں اسامہ نے 50 عرب جنگجوؤں کے ساتھ ہفتوں تک روسی فوجیوں کو روکے رکھا تھا جہاں سے بالآخر اسے پسپا ہونا پڑا تھا۔یہی ججی کی لڑائی تھی جو عرب دنیا میں اسامہ کے جہادی ہیرو ہونے کے شبیہ قائم کرنے کے حوالے سے اہم ثابت ہوئی تھی۔

تورا بورا آنے سے قبل اسامہ نے یمن میں امریکی بحری جہاز کول پر حملے کی منصوبہ بندی کرنے والے ولید بن عطش کو تورا بورا بھیجا تاکہ وہ اس کی آمد کے انتظامات کر سکے۔نومبر کے شروع سے بن لادن کے گارڈز نے خوراک جمع کرنا اور چھوٹے

چھوٹے غار اور سرنگیں کھودنا شروع کر دی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت سی آئی اے اسامہ بن لادن کے محل وقوع کے حوالے سے نگرانی کر رہی تھی۔ اس وقت ایجنسی کا وہاں موجود چیف اہلکار گیری برنسٹن تھا جو مقامی زبان دری آسانی سے بول لیتا تھا۔ کابل پر شمالی اتحاد کے قبضے کے تھوڑے عرصے بعد برنسٹن کو خفیہ اطلاع ملی کہ اسامہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کابل سے نکل کر جلال آباد کی طرف گیا ہے۔ چند دن بعد برنسٹن کو رپورٹ ملی کہ اسامہ تورا بورا کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا ہے۔

نومبر کے آخری ہفتے میں تورا بورا کے پہاڑوں میں اسامہ نے اپنے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جنگ کے خاتمے سے قبل میدان سے بھاگنا ایک بڑی غلطی ہوگی۔ دسمبر کے شروع میں اسی طرح کی ایک اور تقریر اسامہ نے کی۔ تورا بورا میں اسامہ نے شیخ اللیبی کو کمانڈر مقرر کیا، اللیبی کا تعلق لیبیا سے تھا جو روسیوں کے خلاف افغانستان میں لڑ چکا تھا اور بعدازاں نائن الیون حملوں سے پہلے کے سال خلدان ٹریننگ کیمپ جہاں مسلمان عسکریت پسندوں کو تربیت دی جاتی تھی وہاں کمانڈر رہا تھا۔ اسامہ کو یقین تھا کہ امریکی فوجی جلد ہی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے سپن غار کے پہاڑوں پر اتریں گے جہاں وہ انہیں بھاری نقصان پہنچا سکے گا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس بے کار امید کے گرد ہی اسامہ نے اپنی ساری جنگی منصوبہ بندی تیار کر رکھی تھی۔ اسامہ کے منصوبوں کے برعکس یہاں ہونے والی اصل لڑائی امریکی پے رول پر موجود مقامی قبائل اور اسامہ کے آدمیوں کے درمیان ہوئی جبکہ امریکی صرف اوپر سے بمباری کرتے رہے۔ اس عرصے میں پہاڑوں پر مسلسل برف پڑتی رہی۔ اور رات کو درجہ حرارت صفر سے بھی نیچے چلا جاتا تھا۔ ایک یمنی آرتھوپیڈک سرجن ایمن سعید عبداللہ بطرفی سے اسامہ نے کہا کہ وہ زخمیوں کا علاج کرے۔ دسمبر میں بطرفی نے اسامہ کو

بتایا کہ وہ کسی کو جلال آباد بھیج کر دوائیاں منگا لے کیونکہ اس کے پاس دوائیوں کی شدید کمی ہے۔ جب ہلاکتوں کی تعداد بڑھنے لگی تو بطرفی نے چاقو اور قینچی سے آپریشن کرنا شروع کر دیے۔ اس نے اسامہ کو بتایا کہ اگر جلد ہی ہم نے تورا بورا کو نہ چھوڑا تو ہم میں سے ایک بھی یہاں سے زندہ نہیں جا سکے گا۔ بطرفی نے نوٹ کیا کہ اسامہ نے تورا بورا کی لڑائی کے حوالے سے کچھ تیاریاں کر رکھی تھیں اور میدان جنگ سے اکیلا ہی فرار ہونے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

فرار کے اس منصوبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ پیسوں کی کمی تھی، کیونکہ راستے میں پناہ، سفر اور سفری اخراجات کے لیے رشوت دینے کی ضرورت تھی۔ ایک یمنی القاعدہ ممبر تورا بورا تین ہزار روپے امریکی ڈالر دے گیا جبکہ بن لادن نے ایک مقامی عالم سے بھی سات ہزار امریکی ڈالر کا قرض لیا۔

دوسری طرف واشنگٹن میں سنٹرل کمانڈ کے دفتر میں یہ یقین زور پکڑ رہا تھا کہ اسامہ تورا بورا میں پھنس چکا ہے۔ ڈپٹی کمانڈر سنٹرل کمانڈ لیفٹیننٹ جنرل مائیکل ڈی لانگ بتاتے ہیں:

''ہم اسامہ کے پیچھے تندہی سے لگے ہوئے تھے۔ جب ہم نے تورا بورا پر بمباری کی اس وقت وہ یقیناً وہاں موجود تھا، روزانہ بمباری کے بعد ڈونلڈ رمزفیلڈ ہم سے پوچھتا تھا کیا ہم نے اسے پکڑ لیا ہے؟ کیا ہم نے اسے پکڑ لیا ہے؟''

20 نومبر کو نائب صدر ڈک چینی نے اے بی سی نیوز کو بتایا کہ اسامہ زیر زمین غاروں میں چھپ گیا ہے، وہ ایسے علاقے میں ہے جسے وہ بخوبی جانتا ہے، یہاں وہ روسیوں کے خلاف بھی لڑائی میں حصہ لے چکا ہے۔

ڈٹن فیوری (فرضی نام) تورا بورا میں اسامہ کا پیچھا کرنے والی چھوٹی سی مغربی فوجی ٹکڑی کی سربراہی کر رہا تھا۔ اس ٹکڑی میں ستر کے قریب امریکی اور برطانوی

سپیشل آپریشن سپاہی اور سی آئی اے کے اہلکار موجود تھے۔ فیوری کو آپریشن کے شروع سے تورا بورا میں امریکی پلان میں موجود سقم کا اندازہ تھا۔اور فیوری کے نزدیک سقم یہ تھا کہ پاکستان کی طرف فرار کے رستوں کی حفاظت پر ان کا کوئی بھی شخص موجود نہیں تھا۔نومبر کے آخری دنوں میں سفارش پیش کی کہ ان کی اپنی ڈیلٹا ٹیم کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے تورا بورا کی پہاڑیوں پر آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر اتار دیا جائے ، انہیں آکسیجن فراہم کر دی جائے جس کے بعد ان کی ٹیم پہاڑیاں چڑھتے ہوئے تقریبا چودہ ہزار فٹ کی بلند ترین سطح پر پہنچے گی ......اس ٹریکنگ میں چند دن لگیں گے اور اتنی بلندی سے القاعدہ کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانا آسان ہوگا۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ القاعدہ کو اس طرف سے حملے کا خطرہ کم سے کم ہوگا مگر ان سفارشات کو چین آف کمانڈ میں کہیں رد کر دیا گیا۔

جانی نقصان اور شدید موسمی حالات کے باوجود القاعدہ کے لڑاکا کارکن چھوٹے ہتھیاروں کے ساتھ استقامت کا ثبوت دے رہے تھے۔محمد ظہیر جو تین کے قریب افغان ملیشیاز کی قیادت کر رہا تھا اس نے عرب اور پاکستان سے تعلق رکھنے والے عسکریت پسندوں کے حملوں کی شدت کا حل پیش کیا کہ اگر امریکہ نے تورا بورا کی جنگ جیتنی ہے تو اسے القاعدہ کے ٹھکانوں پر فضائی حملے کرنا ہوں گے۔اسی سلسلے میں ہزاروں افغان سپاہیوں کی قیادت کرنے والے کمانڈر محمد موسی نے مجھے بتایا کہ تورا بورا میں القاعدہ کے جنگی جنون کا عالم یہ تھا کہ جب ان میں سے کچھ لوگوں کو ہم نے زندہ پکڑنے کی کوشش کی تو انہوں نے گرینیڈز سے خود کو اڑا دیا،ایسے تین واقعات خود موسی کے سامنے پیش آئے۔بلاشبہ القاعدہ کے جنگجو اس بات کو ذہن میں رکھ کر لڑ رہے تھے کہ وہ رمضان کے مہینے میں ایک مقدس جنگ لڑ رہے ہیں اور سنت نبوی کو زندہ کر رہے ہیں جب رمضان ہی کے مہینے میں پیغمبر اسلام نے چودہ سو سال پہلے مختصر لشکر

کے ساتھ کفار کے بڑی جنگی طاقت کو شکست دی تھی۔

تین دسمبر کی صبح امریکہ کی طرف سے بھاری بمباری کا سلسلہ شروع ہوا اور دن بھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ سلسلہ چار دن جاری رہا جس دوران امریکہ نے تورا بورا کی پہاڑیوں پر سات ہزار پاؤنڈ کے قریب بم برسائے۔اس عرصے میں اسامہ ایک ویڈیو ٹیپ کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو گہری سرنگیں کھودنے کی اہمیت بتاتے دکھائے گئے۔ ٹیپ کی ریکارڈنگ کے دوران قریب ہی کسی بم کے پھٹنے کی آواز آئی، جس پر اسامہ نے بغیر کسی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا 'یہ یہاں ہماری آخری رات ہے'

جب امریکی بمباری میں زیادہ شدت آئی تو بن لادن نے اپنے نائب ایمن الظواہری کو نائن الیون کے ہائی جیکرز کے بارے میں جذبات سے بھرے لہجے میں بتایا کہ مجھے خدشہ ہے کہ میں اس امریکی بمباری میں مارا جاؤں گا مگر میں چاہتا ہوں کہ میں نائن الیون کے 'شہدا' کی یادگاری ڈیتھ سرٹیفکیٹ جاری کروں۔

امریکہ کے ساتھ مل کر لڑنے والے افغان قبائل باہم گتھم گتھا تھے اور رمضان کے مہینے میں شام پڑتے ہی سارے مقامی سپاہی روزے کی افطاری کے لیے گھروں کو چلے جاتے۔ تین دسمبر کو یہ حقیقت محسوس کرتے ہوئے کہ افغان پیدل فوجی القاعدہ کے مرکزی قائدین کے گرد گھیرا تنگ کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں سی آئی اے کے افسر گیری برنسٹن نے ہیڈکوارٹر کو ایک طویل پیغام بھیجا کہ اسے آٹھ سو سے زیادہ آرمی رینجر کا دستہ بھیجا جائے تا کہ وہ ان غاروں پر مشتمل کمپاؤنڈ پر حملہ کر سکے جہاں اسامہ اور اس کے نائب القائدہ لیڈر چھپے ہیں اور ان کے فرار کے رستوں پر اپنے بندے متعین کر سکے۔ برنسٹن کے باس ہنری اے کرمپٹن جسے اس وقت تک سو فیصد یقین تھا کہ اسامہ کو تورا بورا میں گھیرا جا چکا ہے، اس نے تورا بورا آپریشن کے مجموعی انچارج سنٹرل کمانڈ کے کمانڈر جنرل ٹومی فرینک کو کہا کہ اسے اضافی فوجی فراہم کیے جائیں۔

مگر فرینک نے اس اضافی نفری کے بارے میں کبھی سیکرٹری آف ڈیفنس رمزفیلڈ سے کو نہ کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کم سے کم امریکی فوجیوں کے ساتھ جس طرح طالبان حکومت گرائی جا چکی ہے اسی طرح اسامہ کو بھی ہفتوں میں پکڑا جا سکتا ہے اور نہ کبھی رمزفیلڈ نے ٹومی فرینک سے پوچھا کہ اسے مزید فوجیوں کی ضرورت تو نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جنرل فرینک کو یہ بھی یقین تھا کہ امریکہ پاکستان پر انحصار کر سکتا ہے کہ پاکستانی فوجی اسامہ کے پاکستان کی طرف فرار کو روک سکیں۔ مگر یہ مفروضہ کہ پاکستانی اپنی طرف سے بارڈر کو مکمل طور پر سیل کر سکیں گے ایک خام خیال سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ کرمپٹن نے متعدد بار واشنگٹن اور سی آئی اے کے اپنے بڑوں کو خبردار کیا کہ پاکستانی اس قابل نہیں ہیں کہ وہ بارڈر کو مکمل طور پر محفوظ کر سکیں۔ خود صدر بش نے کرمپٹن سے براہ راست یہ سوال کیا کہ کیا پاکستانی بارڈر کو بند کر سکیں گے تو اس کا جواب تھا:

'نہیں، سر!'

ڈیلٹا فورس کے زمینی کمانڈر فیوری بتاتے ہیں کہ پاکستان کی طرف کے راستے کو محفوظ کرنے کے لیے ان کے سکوارڈن کمانڈر نے تجویز دی تھی کہ اس راہداری پر گیٹر سرنگیں بچھا دی جائیں جو ایک مخصوص وقت کے بعد خود ہی ناکارہ ہو جاتی ہیں مگر اس تجویز کو بھی قبول نہ کیا گیا۔

ڈیلٹا ٹیم کا کیمپ تورا بورا کے انتہائی قریب لگایا گیا تھا تا کہ القاعدہ کے ٹھکانوں اور شکار پر نظر رکھی جا سکتی۔ انہوں نے لیزر شعاعوں کی مدد بھی لی تا کہ درست انداز میں فضائی حملہ ہو سکے۔ اس وقت تک کی جو خفیہ رپورٹیں موجود تھیں ان کے مطابق اسامہ انہی غاروں میں کہیں موجود تھا۔ 9 دسمبر کو امریکی بمبار تیارے نے 15 ہزار پاؤنڈ کا ڈیزی کٹر بم القاعدہ کے ٹھکانوں پر مارا۔ اس کے دھماکے کی آواز سن کر

القاعدہ کا ممبر ابوجعفر الکویتی کو لگا کہ آس پاس کوئی خطرناک دھماکہ ہوا ہے۔اگلے دن القاعدہ کے ممبران کو پتہ چلا کہ جس غار میں شیخ اسامہ موجود تھا وہ تباہ کر دی گئی ہے مگر اسامہ بچ نکلنے میں کامیاب رہا تھا جس نے ڈیزی کٹر حملے سے کچھ دیر پہلے اپنی لوکیشن بدل لی تھی۔

ڈیزی کٹر حملے کے اگلے دن امریکی نیشنل سکیورٹی ایجنسی نے ایک پیغام انٹرسیپٹ کیا جس میں کہا گیا تھا:

''والد (اسامہ) حصار توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں'' شام چار بجے کے قریب افغان سپاہیوں نے بتایا کہ انہوں نے اسامہ کا پتہ لگا لیا ہے۔واشنگٹن میں پینٹاگون کے دوسرے نمبر کے اعلیٰ ترین اہلکار پال وولف وٹز نے بتایا کہ زیادہ امکان یہی ہے کہ اسامہ تورابورا کی پہاڑیوں میں ہے کیونکہ ہمیں افغانستان کے دیگر علاقوں یا افغانستان سے باہر اسامہ کی موجودگی کا کوئی نشان نہیں ملا ہے۔

11 دسمبر تک بن لادن کو یقین ہو گیا تھا کہ فرار کے علاوہ اور کوئی راہ باقی نہیں بچی۔ اس نے اپنے لوگوں کو بتایا کہ وہ انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے، رات کی نماز اس نے اپنے وفادار باڈی گارڈز کے ہمراہ پڑھی۔اسی دن القاعدہ کے لیڈر نے امریکی پے رول پر لڑ رہے مقامی جنگجو کمانڈر حاجی زمان سے یہ کہہ کر سیز فائر کیا کہ وہ اگلے دن ہتھیار ڈال دے گا۔امریکی سرپرستوں کے غصے کے باوجود زمان اس سیز فائر پر تیار ہو گیا، اور اسی رات کچھ اسامہ سمیت شدت پسندوں نے تورابورا میں سرنگ نکالی اور تورابورا کے پہاڑوں سے پسپائی اختیار کر لی۔

امریکی سگنل آپریٹرز کو اس رات جو سگنل ملا اس میں اسامہ اپنے پیروکاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا:

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس جنگ میں تم لوگوں کو ملوث کیا، اگر آپ لوگ

مزید مزاحمت نہیں کر سکتے تو آپ ہتھیار ڈال دیں، میری دعائیں آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔'' ان سگنلز کو اسامہ پر کام کرنے والے تمام اہلکار اور ادارے غور سے سن رہے تھے اور انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ اسامہ بس اب ہتھیار ڈالنے ہی والا ہے، ان کے ذہن میں یہ خیال تک نہ تھا کہ وہ فرار کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے کیونکہ اس سے القاعدہ اور جہادی تحریک کی کریڈیبلٹی داؤ پر لگ سکتی تھی۔ ایک امریکی اہلکار کا کہنا تھا کہ ہمیں لگا کہ یہ اس کا الوداعی پیغام ہے مگر یہ پینٹا گان کے تخمینے کی غلطی تھی جس پر بعد میں انہیں پچھتانا تھا۔

امریکی تاریخ کے سب سے خون آشام حملوں میں ملوث شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ سوال یہ ہے کہ امریکہ کی طرف سے مزید فوجی کیوں تورابورا میں نہ بھیجے گئے؟ اس سوال کا جواب ہمیشہ یہ کہہ کر دیا جاتا رہا کہ امریکہ وہاں زیادہ فوجی اس لیے نہیں بھیجنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے نزدیک مقامی لوگ نے ان فوجیوں کو دشمن فوج سمجھتے کیونکہ تورابورا کا علاقہ جن کے قبضے میں تھا وہ امریکہ مخالف تھے اور زیادہ تعداد میں امریکیوں کو تورابورا کے پہاڑوں پر اتارنے کا اس نازک موقع پر برا اثر پڑنا تھا۔

دوسری طرف پینٹا گون بھی زیادہ امریکی فوجی بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ افغان جنگ میں اب تک امریکی فوجیوں سے زیادہ صحافی مر چکے تھے۔

دوسری طرف 1999 کی کوسووو جنگ میں ایک بھی امریکی فوجی نہیں مارا گیا تھا۔ امریکی فوجی قیادت کو اس بات پر یقین تھا کہ امریکی عوام ہلاکتوں کو برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھے چاہے یہ ہلاکتیں اسامہ کی تلاش کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہوتیں۔

علاوہ ازیں عراق کے معاملات بھی ایک وجہ تھے جنہوں نے امریکی حکام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔ سیکرٹری آف سٹیٹ ڈونلڈ رمزفیلڈ نے جنرل فرینکس کو

بتایا کہ صدر بش چاہتے ہیں کہ ہم عراق کے حوالے سے آپشنز کو زیادہ توجہ دیں۔ پہلے ہی سے افغانستان میں جنگ میں مصروف امریکی افواج کو دیکھتے ہوئے فرینک اس پر حواس باختہ ہو گئے اور کہا ''یہ آخر کیا چاہ رہے ہیں؟'' مگر اس غصے اور جھنجھلاہٹ کے باوجود فرینک نے 800 صفحات پر مشتمل مسودہ جو عراق جنگ کے حوالے سے تھا پینٹا گون کے سامنے پیش کیا۔ رمز فیلڈ کو یہ منصوبہ زیادہ پسند نہ آیا اور اس نے فرینک کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ابھی بہت سا کام آپ کو کرنا ہوگا۔ اس کے بعد رمز فیلڈ نے فرینک کو بتایا کہ 12 دسمبر کو امریکی فوجیں عراق میں داخل ہوں گی، ٹھیک وہی دن جب القاعدہ کے لیڈر تورابورا میں مصنوعی سیز فائر کے پردے میں فرار کا عمل شروع کر رہے تھے۔

تورابورا میں القاعدہ کی قیادت کو پکڑنے کے حوالے سے اضافی افواج نہ بھجوانے کے اپنے فیصلے کی حمایت میں فرینکس کہتا ہے:

''افواج نہ بھیجنے کے فیصلے کی متعدد وجوہات تھیں۔ ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ کم سے کم افواج کے ساتھ ابھی تک افغانستان کا آپریشن کامیاب جارہا تھا، افواج میں اضافہ کرنے کی صورت میں جاری آپریشن میں تعطل کا امکان ایک اور وجہ تھی اور ایک اور وجہ وہ غیر یقینی کیفیت بھی تھی کہ آیا اسامہ تورابورا میں موجود بھی تھا کہ نہیں۔ خفیہ اطلاعات اگرچہ یہی بتا رہی تھیں کہ وہ وہاں موجود تھا مگر ہمارے پاس کچھ خفیہ معلومات ایسی بھی تھیں جو اسامہ کی کشمیر میں موجودگی کا امکان رکھتی تھیں''

جنرل ڈیل ڈیلی بھی فرینک کے کچھ خدشات سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تورابورا کے مکمل محاصرے کے لیے زیادہ افواج کی ضرورت کا سوال ہی نہیں تھا۔ یہ دسمبر کا مہینہ تھا جب ہر پہاڑ برف سے ڈھکا تھا اور ہر پہاڑی کے لیے ہمیں لاجسٹک سپورٹ کی ضرورت ہوتی'' ڈیلی کے گراؤنڈ کمانڈر نے بھی زیادہ افواج کی تعیناتی کے

خیال کو منسوخ کرتے ہوئے کہا: ''زیادہ افواج کا سوال ہی نہ تھا، ہم نے یہ جنگ سپیشل آپریشنز اور سی آئی اے کی مدد سے بغیر روایتی انداز اختیار کیے جیت لی تھی''

قندھار کے قریب رکے ہوئے 1200 امریکی میرینز کے کمانڈر بریگیڈیر جنرل جیمز این میٹس کابل کے نزدیک موجود بگرام ائیربیس گئے اور ڈیلی سے زیادہ افواج کی تعیناتی کے معاملے پر گفت وشنید کی مگر تعیناتی کا فیصلہ نہ ہوا۔

واشنگٹن پوسٹ کے لیے تورابورا کی لڑائی کو کور کرنے والے صحافی سوسن گلاسر کا کہنا ہے کہ اس لڑائی کی ابتدا میں وہاں پچاس سے ستر صحافی موجود تھے جبکہ لڑائی کے عروج کے زمانے میں ان کی تعداد 100 کے قریب تھی اور صحافیوں کی یہ تعداد وہاں موجود مغربی افواج سے بھی کچھ زیادہ تھی۔ سوسن کا کہنا ہے کہ اردگرد موجود علاقوں میں امریکی افواج موجود تھیں مگر انہیں تورابورا میں تعینات کرنے کے مسئلے کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا گیا تھا۔

صدر کی سلامتی کی مشیر کنڈولیزا رائس کہتی ہیں کہ اسامہ کے ٹھکانے کے حوالے سے باہم متضاد رپورٹیں موجود ہونے کی وجہ سے صدر بش کو کبھی زیادہ فورسز کی تعیناتی کے بارے میں نہیں پوچھا گیا، صدر بش نے بھی بعد میں رائس کے اس بیان کی تصدیق کی۔ آخر کیوں زیادہ فورسز تعینات نہ کی گئیں، یہ ابھی تک راز ہے مگر ایک بات جو سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ بش انتظامیہ نے جب اپنے کوئی چار سو اہلکاروں کے ذریعے طالبان حکومت کو تبدیل کرنے جیسی کامیابی حاصل کر لی تھی، تو آخر وہ اپنی اس اپروچ میں کیوں تبدیلی لاتے۔

12 دسمبر کو اسامہ کے باڈی گارڈز پر مشتمل 2 درجن جتھے نے تورابورا کی پہاڑیوں کو پار کرتے ہوں پاکستان کی راہ لی تو ان کو روکنے کے لیے امریکی میرینز کہیں موجود نہ تھے۔ 15 دسمبر کو یہ لوگ پاکستان میں گرفتار ہوئے جنہیں امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔

بن لادن ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اسامہ اور اسکا نائب ظواہری نے چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہوکر افغانستان میں ہی قیام کا فیصلہ کیا۔ ظواہری اسامہ کے بیٹے عثمان کے ساتھ پہاڑی علاقوں سے کہیں نکل گیا، اسامہ اپنے بیٹے عثمان کو خدا حافظ کہنے گیا مگر کب یہ معلوم نہیں، اور یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ شاید وہ دوبارہ نہ مل سکیں اس سے کہا:

''میرے بیٹے، ہم اپنا عہد نبھار ہے ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کا عہد''......اس کے بعد القاعدہ کا یہ جہادی لیڈر اپنے دوسرے بیٹے محمد کے ساتھ کہیں اور فرار ہوگیا۔

جب اسامہ تورا بورا کے میدان جنگ کو چھوڑ کر جارہا تھا تو اس نے اپنی آخری وصیت میں اپنی اولاد کو اس راستے سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھا:

''میرے بیٹو مجھے معاف کردینا کیونکہ میں جہاد کی وجہ سے تم لوگوں کو زیادہ وقت نہ دے سکا۔ میں نے جو راہ چنی ہے وہ کانٹوں اور خطرات سے پر، اس میں دکھ ہے، مشکلات میں، دھوکے اور غداریاں ہیں۔ میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ القاعدہ کے ساتھ کام نہ کرنا'' اپنی بیویوں کے حوالے سے اسامہ نے لکھا:

''تم کو پتہ ہے کہ میرا راستہ کانٹوں اور بارودی سرنگوں سے بھرا ہوا ہے۔ تم لوگوں نے اپنے رشتے داروں کے ساتھ راحت بھری زندگی چھوڑ کر میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور مشکلات سہیں، تم نے میرے ساتھ دنیا کی آسائشیں ترک کیں، بلکہ مجھ سے بھی آگے رہیں، دوبارہ شادی کرنے کا خیال تمھارے دل میں نہ آئے بلکہ ہمارے بچوں کی دیکھ بھال کی طرف توجہ دینا''

اس کے بعد اسامہ آرام کرنے اپنے ایک وفادار دوست عودگل کے ہاں جلال آباد پہنچا۔ جنگ سے پہلے بن لادن نے گل کو ایک لاکھ امریکی ڈالر دیے تھے۔ اس کے بعد باکمال شہسوار اسامہ گھوڑوں کی پشت پر بیٹھ کر شمال مشرقی علاقے کنڑ کی طرف نکل

گیا جو چھپنے کے لیے ایک بہترین جگہ تھی۔ یہاں کی بارہ ہزار فٹ بلند پہاڑی چوٹیاں، گھنے درخت اور صدا بہار جھاڑیاں فضا سے نقل وحمل کی ڈیٹکشن کی راہ میں رکاوٹ تھیں۔ آبادی وہاں کی مختصر ہے جو غیر ملکیوں کو پسند نہیں کرتی اور نہ کوئی مرکزی نظام حکومت قائم ہے۔

تورا بورا کی لڑائی کے چند ہفتوں بعد اسامہ کی طرف سے ویڈیو ٹیپ جاری کی گئی جس میں وہ عمر رسیدہ نظر آ رہا تھا، اس ٹیپ میں اپنی موت کے بارے میں اسامہ نے کہا:

''میں خدا کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ میں جیوں یا مروں، جنگ جاری رہے گی''

تقریباً آدھے گھنٹے پر مشتمل اس ویڈیو میں اسامہ کی دائیں سائیڈ بالکل بے حس رہی جو کسی گہرے زخم کا عندیہ دے رہی تھی۔ چند ماہ بعد القاعدہ کی ویب سائٹ پر اسامہ کے دس سالہ بیٹے حمزہ کی نظم پوسٹ ہوئی جس میں اس بدقسمتی کا ذکر تھا جو اس کے گھر والوں کو درپیش رہی، نظم کچھ یوں تھی:

ہائے ابا
کیوں انہوں نے ہم پر یوں بم برسائے
جیسے بارش برستی ہے
وہ بم جن میں ایک بچے کے لیے بھی کوئی رحم کے جذبات نہ تھے

اسی ویب سائٹ پر اسامہ نے جواب دیا:

میرے بیٹے مجھے معاف کرنا، لیکن مجھے اپنے سامنے ایک مشکل راستہ نظر آ رہا ہے۔ ایک عشرے تک ہم نے سفر کی صعوبتیں سہیں اور آج ہمیں اس المیے کا سامنا ہے، کوئی تحفظ ہمیں حاصل نہیں، مگر خطرہ ہے کہ اب بھی باقی ہے۔

4 جنوری 2002 کو صدر بش چھٹیوں پر ٹیکساس میں تھے جب مائیکل مورل کو سی آئی اے کے اس تخمینے سے متعلق بتانے کا نازک کام دیا گیا کہ اطلاعات کے مطابق

اسامہ تورا بورا کی لڑائی میں شامل تھا اور بچ گیا تھا۔ بش نے جس شدت سے اپنے غصے کا اظہار کیا اس سے لگا کہ جیسے مجرم مورل تھا۔

3۔القاعدہ دربدری میں

بن لادن اپنی تنظیم کو اس وقت چھوڑ کر کنٹر کے پہاڑوں میں چلا گیا جب وہ اپنی آخری سانسوں پر تھی۔عربی لفظ القاعدہ کا مطلب ہے بنیاد، اور جس نے اب تک میسر آنے والے سب سے بہترین بنیاد کو کھو دیا تھا۔افغانستان میں طالبان کے ساتھ القاعدہ کی اپنی متوازی ریاست قائم تھی جو امریکی سفارت خانوں، جنگی جہازوں، امریکہ کے فوجی اور معاشی مراکز پر حملے کر کے نہ صرف اپنی آزاد خارجہ پالیسی چلا رہی تھی بلکہ اپنے تربیتی کیمپوں میں عسکریت پسندوں کو بھی تیار کر رہی تھی۔

نائن الیون سے پہلے کی یہ القاعدہ ایک بیوروکریٹک ڈھانچہ تھی، جس کی متعدد میڈیا، فوجی منصوبہ بندی، کاروباری معاملات سے متعلق حتی کے کھیتی باڑی سے متعلق اپنی کمیٹیاں تھیں۔اس کے سی ای او تھے، ممبران کی تنخواہیں تھیں، یہ اپنے ممبران کو جامع تربیت دیتی تھی، اس کے تربیتی کیمپوں میں شمولیت کے تفصیلی داخلہ فارم تھے، اس کا اپنا 32 صفحات پر مبنی دستور عمل تھا جس میں سالانہ بجٹ، تنخواہوں، طبی سہولتوں، معذور ہو جانے والے القاعدہ ممبران سے متعلق پالیسیاں، گروپ سے خارج کرنے کے اصول اور چھٹیوں کے الاؤنسز کی بابت سب کچھ درج تھا۔

القاعدہ لیڈر ایک طرح کے منیجر تھے جو ایک بڑے ادارے کو چلا رہے تھے۔

القاعدہ کے ملٹری کمانڈر محمد عطف نے ایک بار ایک ماتحت کو اس الزام کے تحت فارغ کر دیا کہ:

''جو تم نے کیا اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں نے تمھارے خاندان کے مصر کے دورے کے لیے 75000 روپے حاصل کیے، اور مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے اس کا واؤچر اکاؤنٹنٹ کے پاس جمع نہیں کرایا، مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم نے 40000 روپے میں مصر کی ٹکٹیں کرائی تھیں مگر بقایا پیسے واپس جمع نہیں کرائے'' اسی طرح ایمن الظواہری نے ایک بار یمنی القاعدہ ممبران کی مہنگی فیکس مشین کو خریدنے پر ان کی سرزنش کی۔ نائن الیون سے قبل یہ جہادی اور انقلابی تنظیم ایک قسم کی انشورنس کمپنی کی طرح کام کرتی رہی اگرچہ تنظیم بھاری ہتھیاروں سے مسلح تھی۔

القاعدہ کا یہ بیورکریٹک ڈھانچہ اسامہ کے امریکہ پر حملے کے احمقانہ فیصلے کے باعث تباہ ہو گیا۔ جون 2002 میں القاعدہ نے نائن الیون حملوں کے آپریشنل کمانڈر خالد شیخ محمد کو تنبیہی انداز میں لکھا:

''مزید اقدامات سے ہاتھ روکیں اور ان متواتر اور مہلک غارت گریوں پر غور کریں جن کا چھ ماہ کے مختصر عرصے میں القاعدہ کو سامنا ہوا ہے۔ اسامہ نے نائن الیون کے اپنے ماسٹر سٹروک کے خلاف سامنے آنے والی ہر رائے کو نظر انداز کیا تھا، اگر کسی نے ان کی رائے کی مخالفت کی تو فوراً وہ کسی اور کو سامنے لے آئے جو ان کی رائے سے ہم آہنگ تھا۔ اسامہ ان خطرناک نتائج کو نہ سمجھ سکا جو نائن الیون کے بعد القاعدہ کو درپیش رہے اور حملوں کو جاری رکھنے پر اٹا رہا یہ جانے بغیر کہ ان کے اس اقدام سے ایشیا، مشرق وسطی، افریقہ اور یورپ کی جہادی تحریکوں کو شدید اثرات کا سامنا کرنا پڑا۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ ہر قسم کے دہشت گردانہ حملوں کو روکا جائے جب تک ہم بیٹھ کر ان تباہیوں پر غور نہ کر لیں جو ہمیں درپیش ہیں''

اسامہ پر تنقید کا دائرہ دو سال بعد اس وقت وسیع ہو گیا جب ابو مصعب السوری نے انٹرنیٹ پر 1500 صفحات پر مشتمل جہادی تحریک کی تاریخ کا مسودہ جاری کیا۔ سوری ایک مفکر تھا جس کا تعلق شام سے تھا اور جو اسی کی دہائی سے اسامہ کو جانتا تھا۔ نوے کی دہائی میں وہ سپین اور بعد ازاں لندن میں رہا جہاں اس نے جہادی تحریک کے حوالے سے مطبوعات شائع کیں۔ نائن الیون سے ایک سال قبل سوری افغانستان میں اپنا جہادی تربیتی کیمپ چلا رہا تھا جہاں اس نے القاعدہ کے ایک زیادہ مربوط ڈھانچے کی حمایت کی اور اس وقت تک لاگو حفظ مراتب کے نظام پر قائم القاعدہ کے ڈھانچے کی مخالفت کی۔

طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد سوری جسے یہ حقیقت معلوم تھی کہ وہ کسی وقت بھی گرفتار ہو سکتا ہے (جیسا کہ وہ 2005 میں پاکستان میں گرفتار بھی ہوا)، یہ سارا عرصہ سوری نے فرار کی حالت میں گزارا اور اس دوران جہادی تحریک کی جامع تاریخ لکھتا رہا۔ نائن الیون کے بعد القاعدہ اور اس کے اتحادی گروہوں کو جس ہزیمت کا سامنا ہوا اس کے بارے میں سوری لکھتے ہیں:

''ہم اپنی تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہے ہیں۔ امریکہ نے جہادی تحریکوں کی قیادت، انفراسٹرکچر، حامیوں اور دوستوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ نائن الیون سے اب تک تین سے چار ہزار کے قریب عسکریت پسند جہادی قتل ہوئے ہیں......
امریکہ نے افغانستان کی اسلامی ریاست کو ختم کر دیا جو مجاہدین کے لیے پناہ گاہ تھی، اس ریاست کا دفاع کرنے والے ہزاروں مجاہدین کو امریکہ نے تہہ تیغ کر دیا۔ امریکہ نے چھ سو کے قریب مجاہدین کو مختلف عرب ملکوں اور پاکستان سے گرفتار کیا اور انہیں جیل میں ڈالا۔ تحریک جہاد ساٹھ کی دہائی میں عروج پر تھی اور ستر اور اسی کی دہائی میں عروج کا یہ سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجے میں افغانستان میں اسلامی امارت قائم

ہوئی جو نائن الیون کے بعد تباہ ہو کر رہ گئی"

اسامہ کے طویل عرصے کے قریبی ساتھی اور القاعدہ کی جنگی حکمت عملی کے معمار سوری سرعام یہ کہتے رہے کہ مین ہٹن اور واشنگٹن پر ہونے والے حملوں کی وجہ سے القاعدہ، طالبان اور اس طرح کے دیگر متشدد گروہوں کو بڑے پیمانے پر تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔

مذکورہ بالا رائے کے برعکس القاعدہ کے اندرونی حلقے کے کچھ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ نائن الیون اور اس کے بعد کے واقعات تحریک کے لیے ایک بڑی کامیابی تھے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملون کے بعد اندرونی رپورٹ تیار کرنے والے القاعدہ کے ایک گمنام مصنف نے ان حملوں کے بصیرت پر اپنے تبصرے میں لکھا:

"امریکہ پر حملے کا فیصلہ عاقلانہ انتخاب تھا کیونکہ اسلامی دنیا میں امریکی تابعدار آمر حکومتیں اس لیے قائم تھیں کیونکہ انہیں امریکہ کی حمایت حاصل تھی، اس لیے جسم کے ساتھ لڑتے رہنے کا کیا مطلب تھا جبکہ ہم خود سر پر حملہ کر سکتے تھے۔" اس رپورٹ میں یہی مصنف ان حملوں کے حق میں دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نائن الیون حملوں سے میڈیا کی توجہ بھی ہماری طرف مبذول ہوئی۔ لکھتے ہیں:

"امریکہ کی عظیم الجثہ میڈیا مشین کو شیخ بن لادن کے ان حملوں کے نتیجے میں شکست ہوئی۔ ان حملوں کے بعد سی این این کے کیمرے اور دیگر میڈیا کے بڑے مگرمچھ امریکہ میں خوف پیدا کرتے رہے جس پر القاعدہ کا ایک بھی دینار خرچ نہ ہوا۔"

اسی طرح القاعدہ کے ایک اور فوجی کمانڈر سیف العدل نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ:

"ان حملوں کا مقصد یہ تھا کہ سانپ کو اس کے بل سے نکالا جائے۔ اس طرح کے حملوں کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن باہر نکلتا ہے اور ہر قسم کے اقدامات کرنے پر مجبور ہو

جاتا ہے اور اس میں اس سے کوئی بھی مہلک غلطی ہوسکتی ہے......جیسا کہ امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر کے ثابت کیا''

اس طرح کے دلائل القاعدہ کی تذویراتی ناکامی کو عقلی توجیہ دینے کی کوشش کے لیے تھے۔ نائن الیون حملوں کا بنیادی مقصد امریکہ کو مسلم دنیا سے باہر نکالنا تھا ناں کہ اس کو ابھار کر افغانستان پر حملوں پر اکسانا اور القاعدہ کے نظریاتی حلیف طالبان کی حکومت کو ختم کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ نائن الیون حملوں کی مشابہت پرل ہاربر پر جاپان کے حملوں سے تھی جو 7 دسمبر 1941 کو ہوا۔ اس حملے کو جاپان نے اپنی بڑی کامیابی سمجھا تھا مگر اس کے بعد واقعات نے جو رخ اختیار کیا اس سے سے جاپان کی شاہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ٹھیک اسی طرح جیسے نائن الیون حملوں کے بعد نہ صرف القاعدہ تباہ ہوا بلکہ اس کے لیڈر کی بھی موت ہوگئی۔

یہ بات بڑی مشہور ہے کہ صدر بش نے اپنی میز کی دراز میں القاعدہ کے مطلوب ترین افراد کی ایک فہرست رکھی ہوئی تھی، یہ فہرست اہرام کی شکل میں تھی جسمیں سب سے اوپر اسامہ کا نام تھا، جیسے ہی القاعدہ کا کوئی لیڈر پکڑا یا مارا جاتا بش اس پر کراس کا نشان لگا دیتا تھا۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے ایک سال بعد بش کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ اسامہ مر چکا ہے، شاید تورا بورا کی لڑائی میں۔ کیونکہ 2002 کے پورے سال میں اسامہ کی زندگی کا کوئی ثبوت نہیں ملا تھا۔

اسامہ کے زندہ یا مردہ ہونے کے حوالے سے بے یقینی کا خاتمہ 12 نومبر 2002 کی رات 10:00 بجے ہوا جب پاکستان میں الجزیرہ کے بیورو چیف احمد زیدان کو ایک نامعلوم نمبر سے فون کال موصول ہوئی جس میں پاکستانی لہجے کا ایک شخص انگریزی زبان میں کہہ رہا تھا کہ میرے پاس آپ کے لیے ایک بڑی خبر ہے، اس لیے اسلام آباد ہوٹل کے پیچھے موجود میلوڈی مارکیٹ آ کر مجھ سے ملو۔ زیدان دوڑتا ہوا میلوڈی

مارکیٹ پہنچا جہاں اس رات خراب موسم کی وجہ سے لوگوں کا رش زیادہ نہیں تھا، جوں ہی زیدان گاڑی سے باہر نکلا تو ایک نقاب پوش آدمی نے اسے ایک آڈیو ٹیپ تھماتے ہوئے کہا ''یہ اسامہ بن لادن کی طرف سے آپ کے لیے''

زیدان نے اس شخص کو رکنے کا کہا مگر وہ آڈیو ٹیپ تھماتے ہی غائب ہو گیا۔ زیدان نے اپنی گاڑی میں ٹیپ سنی اور فورا پہچان لیا کہ یہ اسامہ ہی تھا۔ اور وہ تورابورا سے بچ نکلنے میں کامیاب ٹھہرا تھا اور ابھی تک زندہ بھی تھا۔ الجزیرہ چینل کے لیے یہ واقعی بہت بڑی خبر تھی۔

دفتر واپس آ کر زیڈان نے قطر میں موجود الجزیرہ کے دفتر کو یہ آڈیو ٹیپ بھیج دی اور جلد ہی یہ خبر دنیا بھر میں پھیل گئی کہ 'بن لادن زندہ ہے'۔ اسامہ اس ٹیپ میں ان حالیہ حملوں پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا جو اس کے پیروکاروں نے کیے تھے، ان حملوں میں تیونس میں سینیگاگ پر حملہ، یمن میں فرانسیسی آئل ٹینکر پر حملہ، انڈونیشین جزیرے بالی کے نائٹ کلب پر حملہ جس میں دوسو لوگ ہلاک ہوئے جن کی اکثریت مغربی نوجوان سیاحوں پر مشتمل تھی، شامل تھے۔ یہ ٹیپ اسامہ کے زندہ ہونے کا جامع ثبوت تھی۔

اسامہ زندہ تھا مگر کہاں تھا؟ امریکی حکومتی اہلکاروں کا نائن الیون حملوں کے چند سال بعد یقین تھا کہ وہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں کہیں موجود ہے جہاں وہ تورابورا کی شکست کے بعد اپنی تعمیر نو کر رہے تھے۔ کچھ خفیہ رپورٹوں میں اسامہ کی چترال میں موجودگی کے بھی آثار ملے تھے۔

....

طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد متعدد القاعدہ لیڈر پاکستان کے قبائل میں روپوش نہ ہوئے بلکہ ان میں سے کچھ ایران نکل گئے تو ان کی اکثریت نے دنیا کے بڑے شہروں میں سے ایک کراچی میں گمنام زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اسامہ کا بڑا بیٹا

سعد بن لادن جس نے حال ہی میں القاعدہ میں لیڈر شپ کی کچھ ذمہ داریاں سنبھالی تھیں، سال 2002 کے ابتدائی چھ ماہ کراچی میں رہا۔ اس کی مدد سے اسامہ کے کئی بچے اور رشتے دار ایران پہنچنے میں کامیاب ہوئے جہاں انہوں نے نظر بندی کی زندگی گزاری۔ سعد بھی دیگر القاعدہ لیڈرز جن میں اہم ترین سیف العدل شامل تھے، کے ہمراہ بعدازاں ایران چلا گیا۔ عدل نے ہی القاعدہ کی سعودی شاخ کو احکامات دیے کہ سعودی ریاست کے خلاف حملے کیے جائیں جو 2003 سے شروع ہوئے جس میں متعدد لوگ ہلاک ہوئے۔

کراچی کے ایک سیف ہاؤس سے ہی نائن الیون حملوں کے دو کلیدی منصوبہ سازوں خالد محمود شیخ اور رمزی بن الشبہ نے 2002 میں الجزیرہ کے ایک رپورٹر کو طویل انٹرویو دیا جس میں انہوں نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے نائن الیون حملے کیے۔ متعدد ماہ بعد نائن الیون کی پہلی برسی کے موقع پر رمزی بن لشبہ کو القاعدہ کے دیگر اہم رہنماؤں کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا۔ جس سیف ہاؤس سے ان کی گرفتاری عمل میں لائی گئی وہاں اسامہ کی بیوی بچوں کے بیس کے قریب پاسپورٹ اور دیگر کاغذات بھی ملے جو اسامہ کے خاندان کی زندگی میں کراچی کی اہمیت کا عندیہ دیتے ہیں۔

کراچی ہی وہ شہر ہے جہاں القاعدہ کا بینکنگ کا نظام قائم تھا۔ 2001 میں جب اسامہ کو تورا بورا کی پہاڑیوں میں پیسوں کی شدید کمی کا سامنا تھا اس وقت خالد شیخ محمد لاکھوں ڈالرز کے لین دین کر رہا تھا۔ مثال کے طور پر خالد شیخ محمد نے جنوب مشرقی ایشیائی دہشت گرد گروپ جماعہ اسلامیہ کو اکتوبر 2002 میں بالی میں بم دھماکے کرنے پر ایک لاکھ تیس ہزار ڈالر دیے۔

کراچی میں ہی خالد شیخ محمد نے مغرب پر حملوں کی دوسری لہر کی منصوبہ بندی کی، ان منصوبوں میں ہیتھرو ائیر پورٹ پر جہاز گرانا اور ریموٹ کنٹرول بم حملے شامل تھے۔

اس نے انتھراکس ریسرچ پروگرام کو بھی دوبارہ شروع کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے حوالے سے یزید صفات سے بات کی، یزید کا تعلق ملائشیا سے تھا جس نے کیلیفورنیا پولی ٹیکنیک سٹیٹ یونیورسٹی سے بائیو کیمسٹری کی تعلیم حاصل کی تھی اور ماضی میں القاعدہ کے لیے انتھراکس کو ہتھیار کے طور پر بنانے کی ایک ناکام کوشش کر چکا تھا۔ یزید نے خالد شیخ محمد کو بتایا کہ اس نے انتھراکس سے بچنے کی ویکسین کو خود پر استعمال کر لیا ہے اس لیے وہ اس پروگرام پر کام کر سکتا ہے مگر یہ منصوبہ کبھی شروع نہ ہو سکا۔

خالد شیخ محمد کے سارے منصوبے اس وقت دھرے رہ گئے جب وہ یکم مارچ 2003 کو 3 بجے صبح راولپنڈی میں ایک چھاپے میں گرفتار ہو گیا۔ اس کی گرفتاری ایک امریکی مخبر کی وجہ سے عمل میں آئی۔ خالد شیخ محمد کی گرفتاری سے سی آئی کو بہت سی خفیہ معلومات بھی حاصل ہوئیں۔ نہ صرف یہ اس کے پاس اسامہ کے تین خط تھے جو اس نے ایران میں موجود اپنے خاندان کے نام لکھے تھے بلکہ وہ کمپیوٹر بھی سی آئی اے کے قبضے میں آ گیا جس میں "Merchant's Schedule" نامی وہ ڈاکومنٹ تھا جس میں القاعدہ کے 129 آپریٹوز کی فہرست اور ان کی تنخواہوں اور دیگر مراعات سے متعلق تفاصیل تھیں۔ اس فہرست میں ان القاعدہ ممبران کے نام بھی تھے جو مارے یا زخمی ہو چکے تھے۔

مگر ان معلومات سے اسامہ تک رسائی کا کوئی راستہ سی آئی اے کو نہ مل سکا۔

اکتوبر 2003 میں بن لادن نے ان مغربی ملکوں میں حملوں کا حکم دیا جن کی افواج عراق میں لڑ رہی تھیں۔ اس کے بعد ترکی میں برطانوی قونصلیٹ اور میڈرڈ کی ٹرینوں پر حملہ ہوا۔ 2004 میں امریکی عام انتخابات کے موقع پر اسامہ کی ویڈیو ٹیپ منظر عام پر آئی جس میں وہ صدر بش کی اس کہانی کا مذاق اڑایا جو پالتو بکری کے حوالے سے تھی جو بش اس وقت سکول کے بچوں کو سنا رہا تھا جب نائن الیون حملے ہو

رہے تھے۔اس ٹیپ میں اسامہ نے صدر بش کے بار بار کے ان دعووں پر بھی ردعمل دیا جس میں بش نے کہا تھا کہ القاعدہ ہماری خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہماری مخالف نہیں بلکہ ہماری آزادیوں کی دشمن ہے۔اسامہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''بش کا یہ دعوی غلط ہے کہ ہم آزادیوں کے دشمن ہیں، کیونکہ اگر یہ الزام درست ہے تو آخر ہم سویڈن پر حملے کیوں نہیں کرتے؟'' دسمبر 2004 میں اسامہ نے سعودی عرب میں موجود تیل کے کنوؤں، توانائی کے اداروں اور ریفائنریز پر حملوں کا اعلان کیا۔

اس طرح کی دھمکی آمیز ویڈیو ٹیپس کے باوجود 2002 سے 2005 کے دوران القاعدہ کے ارکان چھپتے پھر رہے تھے اور یہ تمام ممبران پاکستان کے بڑے شہروں سے گرفتار ہو گئے۔القاعدہ کے ممبران کو مشکل صورت حال کا سامنا تھا، اگر وہ فون یا انٹر نیٹ استعمال نہ کرتے تو انہیں پکڑنا بہت مشکل تھا لیکن اس کا مطلب یہ تھا اگر وہ ابلاغ کے یہ ذرائع استعمال نہ کرتے تو پھر حملوں کو کر پانا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔سی آئی اے نے ان لوگوں کو پکڑنے کے لیے نئی جیو ٹیکنالوجی کو استعمال کیا جو ان القاعدہ ممبران کے سیل فونز اور آئی پی ایڈریسز کے ذریعے ان کا کھوج لگاتی تھی۔خالد شیخ محمد کی گرفتاری بھی سوئس فون اور سم کارڈز کی وجہ سے عمل میں آئی تھی، یہ فون اور سمیں القاعدہ میں بڑی معروف تھیں کیونکہ ان میں ایک تو پری پیڈ منٹس کی تعداد زیادہ ہوتی تھی اور ان کی خریداری کے لیے خریدار کو اپنا نام مہیا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

نائن الیون حملوں کے بعد پہلے ایک سال کے دوران سی آئی اے اور آئی ایس آئی کے درمیان بھی اچھے تعلقات تھے۔کیونکہ القاعدہ پاکستان اور امریکہ کا مشترکہ دشمن بن چکا تھا جو پاکستانی صدر پرویز مشرف پر حملے بھی کر رہا تھا۔صوبہ سرحد میں آئی ایس آئی کے آپریشن انچارج جنرل اسد منیر جو نائن الیون حملوں کے بعد ایک سال تک وہاں تعینات رہے، سی آئی اے سے متعلق بتاتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر اتنا اعتماد

کرتے تھے کہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے تھے۔ اسد منیر بتاتے ہیں کہ 2002 میں انہوں نے سی آئی کے ساتھ مختلف آپریشنز میں حصہ لیا، جن کے چند ایک افسران وہاں موجود ہوتے تھے اور باقی افرادی قوت آئی ایس آئی مہیا کرتی تھی۔

نائن الیون کے ایک سال بعد تک القاعدہ کے جوارکان پاکستان کے مختلف شہروں سے گرفتار ہوئے ان میں القاعدہ کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے والے ابوزبیدہ، یمن میں امریکی کول پر حملے میں اہم کردار ادا کرنے والے ولید بن عطش، افریقہ میں 1998 میں امریکی سفارت خانوں پر بم حملوں کی سازش کرنے والوں میں سے ایک احمد خلفان غیلانی اور القاعدہ کے نمبر 3 ابوفراج اللیبی شامل ہیں جسے پاکستانی پولیس نے اس وقت گرفتار کیا جب وہ برقعے میں فرار ہورہا تھا۔ ان سب کے ساتھ پاکستان نے نائن الیون حملوں کے بعد پانچ سال کے دوران مجموعی طور پر 369 مشتبہ دہشت گردوں کو امریکہ کے حوالے کیا جس کے بدلے میں پاکستانی حکومت کو لاکھوں ڈالر دیے گئے۔

القاعدہ کے جو لیڈر بچ گئے انہوں نے موثر کمیونکیشن کی بجائے زندہ رہنے کو بہتر سمجھا اور ایسی جگہوں پر چلے گئے جہاں سی آئی اے یا آئی ایس آئی کی موجودگی بہت محدود تھی یا بالکل نہیں تھی۔

4۔القاعدہ کا احیا

2003 میں جب عراقی جنگ زوروں پر تھی ، برطانوی شہریوں کا ایک گروپ پاکستان میں یہ طے کر کے آیا کہ وہ القاعدہ سے تربیت لے کر امریکہ اور دیگر نیٹو افواج کے خلاف افغانستان میں لڑیں گے۔ایک پاکستانی نژاد کا کرکٹ کا دیوانہ بیٹا عمر خیام ان کا رنگ لیڈر تھا۔افغانستان پاکستان بارڈر پر موجود القاعدہ کے تربیتی کیمپ میں ان لوگوں نے سیکھا کہ کھاد سے بم کیسے بنایا جا سکتا ہے۔تربیت کے دوران اسامہ کے ایک اعلیٰ سطحی لیفٹیننٹ عبدالحق العراقی نے اس گروپ سے کہا کہ ہمارے پاس یہاں بہت سے لوگ ہیں اور اگر تم لوگ کچھ کرنا چاہتے ہو تو برطانیہ میں جا کر کرو۔عمر خیام کی پاکستان سے انگلینڈ واپسی کے موقع پر ایک القاعدہ کا اہلکار اسے ملا اور اسے ہدایت دی کہ وہ برطانیہ میں ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے بم دھماکے کرے۔

برطانیہ واپسی پر عمر خیام اور اس کے ساتھیوں نے 1300 پونڈ ،آدھے ٹن سے کچھ زیادہ، امونیم نائٹریٹ کھاد خریدی اور اسے مغربی لندن کے ایک سٹوریج لاکر میں چھپا دیا، یہ تقریباً اتنی تعداد کا دھماکہ خیز مواد تھا جو 1995 میں اوکلوہامہ کی فیڈرل بلڈنگ کو اڑانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔اس گروپ نے لندن کے شاپنگ سنٹرز ،ٹرینوں، اور عورتوں کے فحش ڈانس کے مراکز کو اڑانے کا منصوبہ بنایا۔فروری 2004 میں عمر خیام

نے پاکستان میں القاعدہ کے ایک کارکن سے رابطہ کیا اور اسے کہا کہ وہ یہ چیک کرے کہ بم بنانے کا جو طریقہ انہوں نے گذشتہ سال القاعدہ کے تربیتی کیمپ میں سیکھا تھا، آیا وہ ٹھیک ہے کہ نہیں۔ جہاں کھاد رکھی گئی تھی وہاں کے ایک اہلکار کو شک گزرا تو اس نے پولیس کو بتا دیا جس نے وہ تمام کھاد وہاں سے غائب کر دی اور کوئی اور مواد وہاں وہاں رکھ دیا۔ بعد ازاں پولیس نے عمر خیام کو اس وقت گرفتار کر لیا جب وہ سسیکس کے ہالی ڈے ان ہوٹل میں ہنی مون منا رہا تھا۔

خیام اس جنگی اتحاد کی پہلی مثال ہے جو نائن الیون کے بعد برطانوی عسکریت پسندوں اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود القاعدہ کے لیڈروں کے درمیان وجود میں آیا۔ القاعدہ کو برطانوی منصوبہ سازوں کے ساتھ اگلے منصوبے میں کافی بڑی کامیابی حاصل ہوئی جن کو بم بنانے کی تربیت پاکستان میں دی گئی۔ یہ چار لوگ تھے، چاروں ہی برطانوی شہری تھے جن میں سے تین کے خاندانوں کا حقیقی تعلق پاکستان سے تھا۔ ان کے رنگ لیڈر محمد خان کا القاعدہ سے رابطہ اس وقت ہوا جب وہ سکول میں ٹیچنگ کی نوکری سے چھٹی کرنے کے بعد نومبر 2004 میں پاکستان آیا تھا۔ جب دھیمے لہجے میں بات کرنے والا یہ شخص چھٹیوں پر پاکستان میں موجود تھا اس وقت القاعدہ لیڈر عبدالہادی اسے ملا اور اس کو برطانیہ میں بم حملہ کرنے پر اکسایا۔ 7 جولائی 2005 کو ان چاروں نے لندن انڈر گراؤنڈ ٹرینوں اور ایک بس پر حملہ کر کے خود کو اور 52 مسافروں کو بم دھماکے میں اڑا دیا۔ یہ برطانیہ کی تاریخ کے سب سے بڑے دہشت گردانہ حملے تھے۔

دو ماہ بعد محمد خان کی الجزیرہ ٹی وی پر ویڈیو ٹیپ نشر ہوئی جس میں خان نے اسامہ اور ظواہری کو موجودہ دور کے ہیرو قرار دیا، اس کے بعد ویڈیو ٹیپ میں ظواہری خود نمودار ہوا اور ان حملوں کو برطانیہ کی عراقی جنگ میں شمولیت کا بدلہ قرار دیا اور بتایا کہ یہ

حملے اس پیش کش کو ٹھکرانے کا ردعمل ہیں جو شیخ اسامہ نے صلح کے لیے برطانیہ کو کی تھی۔
ظواہری نے کہا:

''کیا شیر اسلام شیخ اسامہ بن لادن نے تم لوگوں کو صلح کی پیش کش نہیں کی تھی؟ تم نے اپنے تکبر کا نتیجہ دیکھ لیا ناں!''

لندن میں ہونے والے حملوں نے اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ القاعدہ کو پاکستان کے قبائلی علاقوں میں وہ بنیاد دوبارہ مل چکی تھی جو ایک زمانے میں اسے افغانستان میں حاصل تھی، اگرچہ یہ بنیاد اس سے کہیں محدود درجے کی تھی۔ اس مقام سے القاعدہ نے مغرب میں مقیم مسلمانوں، خاص طور پر دوسری نسل کے پاکستانی برطانویوں کو مغرب میں حملوں کی تربیت دینا شروع کی۔ سی آئی اے کی طرف سے ایمن الظواہری کو ڈرون حملے میں مارنے کی کوشش کی ناکامی نے بھی القاعدہ کے لیڈروں کا حوصلہ بڑھایا۔ 13 جنوری 2006 کو لندن حملوں کے چھ ماہ بعد سی آئی اے نے ظواہری کے بارے میں خفیہ اطلاعات کی بنیاد پر پاک افغان بارڈر کے ایک گاؤں ڈمہ ڈولا پر اس وقت حملہ کیا جب وہاں کچھ لوگ شام کا کھانا کھا رہے تھے مگر اس حملے میں صرف مقامی لوگ مارے گئے اور دو ہفتے بعد ہی ظواہری کی ویڈیو ٹیپ منظر عام پر آئی جس میں وہ اس بات کی خوشی منا رہا تھا کہ وہ زندہ تھا اور صدر بش کے خلاف تحقیر آمیز زبان میں تبصرے کر رہا تھا۔

2006 میں القاعدہ نے آدھے درجن کے قریب برطانوی شہریوں کو بھرتی کیا اور ان کو ذمہ داری سونپی کہ وہ برطانیہ سے کینیڈا اور امریکہ کی طرف اڑنے والے جہازوں کو دھماکے سے اڑانے کی کوشش کریں۔ اس منصوبے کا رنگ لیڈر لندن کا 25 سالہ احمد عبداللہ علی تھا جس نے اپنی 'شہادت' سے قبل کی ویڈیو ٹیپ میں کہا:

''شیخ اسامہ نے تمھیں کتنی دفعہ خبردار کیا کہ ہماری زمینوں سے نکل جاؤ اب وقت

آ گیا ہے کہ تمھیں تباہ کر دیا جائے“

خوش قسمتی سے یہ پلاٹ برطانوی پولیس نے ناکام بنادیا اور سازشی ٹولہ گرفتار کرلیا گیا۔ انہی دنوں بنائے گئے امریکی ڈیپارٹمنٹ آف ہوم لینڈ سکیورٹی کے انچارج مائیکل چرٹاف کا کہنا ہے:

”اگر جہازوں کو بم سے اڑانے کا یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو ہلاکتوں اور عالمی معیشت پر اثرات کے حوالے سے تباہی نائن الیون کے مقابلے کی ہوتی“

سی آئی اے اور بش انتظامیہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں القاعدہ کی اس ری گروپنگ پر پریشان تھی۔ اس پریشانی میں اضافہ ان ویڈیو ٹیپس نے کیا جو 2006 کے شروع میں القاعدہ چیف اسامہ بن لادن کی طرف سے منظر عام پر آئیں۔ ان ویڈیوز میں بن لادن نے دنیا بھر کی جہادی تنظیموں پر زیادہ تذویراتی کنٹرول پر زور دیا تھا۔ 2007 میں اسامہ نے پاکستانی ریاست پر حملوں کا حکم دیا، اس سال پاکستان میں 52 خودکش حملے ہوئے۔ اور جب نائن الیون کے نصف دہائی بعد سعودی حکومت کی طرف سے گرفتار کیے گئے 700 شدت پسندوں کا سروے کیا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ وہ اسامہ کو اپنا ہیرو مانتے ہیں۔

القاعدہ دوبارہ زندہ ہو چکی تھی، سی آئی اے پاکستانی شہروں میں موجود القاعدہ کے ممبران کو نہیں پکڑ رہی تھی اور پاکستانی قبائل میں ہونے والے ڈرون حملوں میں بھی زیادہ کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ 2005 میں سی آئی اے نے صدر بش کو اسامہ کو پکڑنے کے حوالے سے ایک پاور پوائنٹ پریزنٹیشن دی۔ بش یہ جان کر حیران تھے کہ پاکستان افغانستان کے علاقوں میں سی آئی اے کے اتنے کم لوگ موجود ہیں جہاں اسامہ کی موجودگی کے سب سے زیادہ امکانات ہیں۔ اس نے پوچھا: ”بس اتنے ہی لوگ؟“ جون 2005 میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر پورٹر گاس نے سرعام دعوی کیا کہ

اسامہ کے ٹھکانے کے حوالے سے اس کے پاس 'شاندار آئیڈیا' ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ایجنسی میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ اسامہ کہاں ہے اگر چہ اکثریت کا خیال یہ تھا کہ وہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود ہو سکتا ہے جہاں القاعدہ جمع تھی، آرٹ کیلر ان چند سی آئی اے افسران میں سے ایک ہیں جو 2006 میں پاکستان کے سات قبائلی علاقوں میں تعینات تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''وسائل کا زیادہ رخ عراق کی طرف تھا اور مجھے سی آئی اے کے اتنے کم افسروں کی تعیناتی کے خیال سے اتفاق نہیں تھا''

یاد رہے کہ 2002 میں سی آئی اے کی توجہ کا زیادہ تر حصہ عراق کی جانب ہونا شروع ہو گیا جب رابرٹ گرینئر کو جو اسلام آباد سٹیشن چیف تھا واپس بلایا گیا اور عراق کے حوالے سے اسے خصوصی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ گرینئر کہتے ہیں کہ اس وقت پاکستان میں موجود سی آئی اے کے بہترین ایجنٹوں کو بلا لیا گیا اور انہیں عراق کے معاملات سلجھانے کی طرف لگا دیا گیا۔ سالوں تک صدر بش اور ان کی سکیورٹی ٹیم کی توجہ کا مرکز بھی عراق ہی رہا۔

کیلر کہتے ہیں کہ ان جیسے سی آئی اے افسران جو پاکستان کے فوجی علاقے میں تعینات تھے انہیں نقل و حرکت کی بہت کم آزادیاں تھیں۔ 2006 اور 2007 میں مجموعی طور پر جو خفیہ رپورٹس جمع ہوئیں ان کی روشنی میں صرف 6 ڈرون حملے سی آئی اے کی طرف سے ہوئے ان میں بھی القاعدہ کا کوئی اہم فرد نہیں مارا جا سکا۔ اس وقت سی آئی اے کے ڈائریکٹر مائیکل ہیڈن نے وائٹ ہاؤس سے شکایت کی کہ ہمیں وہاں کچھ کرنے کا موقع حاصل نہیں ہے اس لیے ہم زیادہ جارح مزاج ڈرون حملوں کے پروگرام کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس کے بعد بش نے سی آئی اے کو حکم دیا کہ وہ ڈرون حملوں میں تیزی لے آئیں اور اگر وہ سمجھتے ہوں کہ ڈرون حملہ انتہائی ضروری

ہے تو اس کے لیے پاکستانی حکام کی توثیق اور ان کو بتانا بھی ضروری نہیں ہے۔ اس اجازت کا فائدہ یہ ہوا کہ پہلے کسی بھی ڈرون حملے پر گھنٹے خرچ ہوتے تھے اب وہ حملہ 45 منٹ میں ہو جاتا تھا۔ ڈرون حملوں کو سی آئے اے کنٹرول کر رہا تھا اور یہ ڈرون طیارے پاکستانی یا افغانی فضائی اڈوں سے اڑتے تھے اگر چہ ان کو کنٹرول نیواڈا سے کیا جاتا تھا۔

پاکستان کے قبائلی علاقے جنوبی وزیرستان میں 28 جولائی 2008 کے ڈرون حملے میں ابوخبیب المصری مارا گیا جو القاعدہ کے خام جوہری منصوبوں کا نگران تھا۔ اس حملے میں دو اور بھی شدت پسند ہلاک ہوئے تھے۔ ابوخبیب کی ہلاکت کے بعد ڈرون حملوں کے پروگرام میں تیزی آ گئی۔ صدر بش کے دور حکومت کے آخری سال میں بش نے تقریباً 30 ڈرون حملوں کی پاکستان میں اجازت دی جبکہ اس سال کے پہلے چھ ماہ میں سی آئی اے کو صرف 6 حملوں کی اجازت ملی تھی۔

بش کے دور حکومت کے آخری چھ ماہ میں القاعدہ کے جو اہم لوگ ہلاک ہوئے ان میں پاکستان میں القاعدہ کا چیف ابو حارث، خالد حبیب، ابوزبیر المصری، ابووفا السعودی اور عبداللہ عظام السعودی، القاعدہ کا پروپیگنڈہ چیف ابو جہاد المصری اور اسامہ الکینی اور شیخ احمد سلیم سوڈانی شامل تھے، یہ تمام لوگ القاعدہ کے سینئر گروپ میں شامل تھے۔ ان چھ ماہ میں القاعدہ کی آدھی لیڈرشپ کا خاتمہ کر دیا گیا مگر ان میں سے کوئی بھی حملہ اسامہ بن لادن کے لیے نہیں تھا جو غائب تھا۔ بش کے پریس سیکرٹری ایری فلیشر کہتے ہیں کہ اس تمام عرصے میں بش کی شدید خواہش یہی رہی کہ اسامہ پکڑا جائے۔

ٹھیک اسی وقت جب ڈرون حملوں میں تیزی لانے کا حکم دیا گیا، بش نے خصوصی زمینی دستوں کو بھی حکم دیا کہ وہ پاکستان حکومت کی پیشگی اجازت کے بغیر قبائلی علاقوں

میں کارروائیاں کر سکتے ہیں۔3 ستمبر2008 کو امریکی نیوی کی ایک سیل ٹیم نے افغان بارڈر پار کر کے جنوبی وزیرستان کے علاقہ انگور اڈا میں ایک مکان پر حملہ کیا جس میں 20 لوگ ہلاک ہوئے مگران میں زیادہ تر بچے اور عورتیں تھیں۔اس واقعے کو پاکستانی اخبارات اور میڈیا نے خوب اچھالا اور پاکستانی حکام نے بھی شدید اعتراضات اٹھائے کہ اس طرح کے حملے ان کی خودمختاری پر حملوں کے مترادف ہیں۔ پاکستان کے آرمی چیف نے شدید غصے میں کہا کہ پاکستان کی سرحدوں کا دفاع ہر قیمت پر کیا جائے گا جس کا مطلب یہ تھا کی اگر امریکی فوجی مستقبل میں پاکستان میں گھسے تو بزور قوت ان کا مقابلہ کیا جائے گا،اس کے بعد خصوصی دستوں کے کراس بارڈر حملے روک دیے گئے مگر ڈرون حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔

5۔کیس کی قابل عمل تھیوری

ورجینیا میں سی آئی آے کا ہیڈکوارٹر جدید عمارتوں پر مشتمل ایکڑوں پر پھیلا نظام ہے جہاں عام طور پر سیاحوں کی آمد کو زیادہ خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔ سیاحوں کو وزیٹرز سنٹرز سے بات کرنے کے بعد سکیورٹی کے کئی مراحل طے کرنے کے بعد مرکزی عمارت تک رسائی ملتی ہے۔ سی آئی اے کا یہ صدر دفتر 1950 کی دہائی میں تعمیر ہوا اس کے استقبالیہ پر پتھر کی سلوں پر انجیل کی یہ آیت لکھی ہے:

''اور تم سچ جان لوگے اور سچ ہی تمھیں آزاد کرے گا''

عمارت کی لابی کی دیوار پر ان لوگوں کی یاد میں ستارے بنائے گئے ہیں جو 1947 سے لیکر اب تک فرائض منصبی نبھاتے ہوئے جاں بحق ہوئے۔ وہیں نیچے شیشے کے ایک باکس میں وہ کاپی رکھی ہے جن میں ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ کچھ افسروں کو ہلاک ہونے کے باوجود کاپی میں نہیں لکھا جاتا لیکن ان کے نام کا ستارہ دیوار پر کندہ کر دیا جاتا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مرتے دم تک انڈر کور کام کرتے ہیں۔ نائن الیون کے بعد کے ایک عشرے میں دو درجن کے قریب سی آئی اے افسروں ہلاک ہوئے۔

سی آئی اے کے ہیڈکوارٹر کے گراؤنڈ فلور پر کاؤنٹر ٹیررزم کے دفاتر ہیں، یہ وہ

شعبہ ہے جس نے اسامہ کی تلاش کے سارے کام کی نگرانی کی۔تورابورا کی لڑائی کے بعد اسامہ کے غائب ہونے کے کئی سال تک یہ شعبہ ہر اس خبر کی پڑتال کرتا رہا جو اسامہ کے حوالے سے اسے ملی۔اس شعبے کے بانی مائیکل شیوئر کہتے ہیں نائن الیون کے بعد سی آئی اے اور دیگر ساری ایجنسیاں اپنی اپنی عزت بچانے کے چکر میں تھیں اور ہمیں کہیں سے بھی اطلاع ملتی کہ اسامہ وہاں ہیں تو ہم پاگلوں کی طرح اس طرف دوڑ پڑتے۔اسامہ کو پکڑنا ایسا تھا کہ گویا ہم کسی سراب کا پیچھا کر رہے تھے۔اپریل 2002 میں ایجنسی کی ایک سینئر تجزیہ کار باربرا سوڈ نے پرنسٹن یونیورسٹی میں دور وسطی کے عربی تصورات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی،وہ کل وقتی طور پر القاعدہ پر کام کر رہی تھی،اس نے بھی اس ٹاسک فورس میں شمولیت اختیار کی جو مختلف ایجنسیوں کے افراد پر مشتمل تھی،اس ٹاسک فورس کے کئی اجلاس ہوئے جس میں بن لادن کو پکڑنے پر غور کیا گیا۔اس گروپ میں شامل تجزیہ کاروں میں سوڈ کی کلیدی اہمیت ہے کیونکہ 6اگست2001 کو صدر بش کو جو ڈیلی بریف بعنوان''بن لادن امریکہ پر حملوں پر جازم ہے'' دیے گئے وہ سوڈ ہی نے لکھے تھے۔ان رپورٹوں سے ہی اندازہ ہوا کہ القاعدہ امریکہ پر مزید حملوں کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔دوسال بعد یہ مسودے نائن الیون کمیشن میں سامنے آئے اور اس سے بھی کافی عرصہ بعد یہ راز کھلا کہ یہ مسودے سوڈ نے لکھے تھے۔

سوڈ بتاتی ہیں کہ 2002 کے شروع تک مجھے اور میرے ساتھیوں کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ ہم اسامہ کا کھرا کھو چکے ہیں،ہمارے پاس جو واحد چارہ کار اس وقت موجود تھا وہ یہ تھا کہ ہم ان لوگوں سے اسامہ کے تعلقات کی نقشہ بندی کرتے جو اسامہ کو اچھی طرح جانتے تھے۔اس کے خاندانی تعلقات کیا تھے؟ سوویتوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین گروپوں کے ساتھ اس کے تعلقات کیسے تھے؟ کن اور لوگوں پر اسامہ

اعتماد کر سکتا تھا؟ تجزیہ کاروں نے اسامہ کے تمام رشتہ داروں اور جاننے والوں کا ایک بنیادی تخمینہ لگایا اور اس کی تمام سرگرمیوں اور کارروائیوں کا موجود مواد زمانی ترتیب میں رکھا۔ انہوں نے اسامہ کی ایسی تصویریں بنائیں اور انہیں پھیلا دیا جس میں وہ داڑھی کے بغیر نظر آ رہا تھا اور مغربی طرز کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے اس انعامی رقم پر بھی نظر ثانی کی جو اسامہ کو پکڑوانے کے لیے طے کی گئی تھی جو اس وقت 25 ملین ڈالر تھی۔

مبصرین نے اس بات پر بھی مباحثہ کیا کہ اسامہ کو مارنا زیادہ بہتر ہوگا یا اسے پکڑنا؟ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا کہ اس کی موت اسے شہادت کا درجہ دے دیتی اور بدلے میں مزید حملے ہوتے مگر اس صورت میں بھی وہ خود بہر حال منظر سے ہٹ جاتا۔ پکڑنے کی صورت میں القاعدہ ممبران یہ بھی کر سکتے تھے کہ وہ دنیا بھر سے امریکی شہریوں کے اغوا کی کوشش کرتے اور اس کے بعد امریکہ سے کسی قسم کی کوئی ڈیل کرنے کی کوشش کرتے۔ اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ امریکہ کی کسی جیل میں بیماری سے مرنے یا کسی دوسرے قیدی کے ہاتھوں قتل ہونے کی صورت میں کیا نتیجہ نکلتا۔ القاعدہ کی قیادت کو پکڑنے کے مشن میں خواتین مبصرین جیسے سوڈ، کا کلیدی کردار رہا ہے۔ اسامہ کو پکڑنے کے لیے بنائے جانے والے یونٹ کے چیف شوئر کی اعلیٰ ترین نائب جینیفر میتھیوز کی توجہ کا مرکز پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقے تھے۔ اس خاتون کی بدولت امریکہ کو 2002 میں ابوزبیدہ کو گرفتار کرنے میں بڑی مدد ملی اور اسی شخص کی بدولت امریکہ کو یہ معلوم ہوا کہ نائن الیون حملوں کا ماسٹر مائنڈ خالد شیخ محمد تھا۔ سی آئی اے کے لیے یہ اطلاع حیران کن تھی جو خالد شیخ محمد کو چھوٹے درجے کا القاعدہ اہلکار تصور کرتے تھے۔ ایک اور خاتون فریڈریکا (فرضی نام) بھی سی آئی اے کی اہم افسر تھی۔ اس کے علاوہ گینا بینیٹ ایک اور اہم سی آئے افسر تھی جس نے اگست 1993 میں

بیورو آف انٹیلی جنس اور ریسرچ میں کام کرتے ہوئے ایک تحقیقی مطالعے میں لکھا تھا کہ اسامہ بن لادن ایک خطرناک انسان ثابت ہوسکتا ہے۔ جب اسامہ کو سوڈان کے دارالحکومت سے نکال کر افغانستان جانے کا موقع ملا تو اس پر بھی بینٹ نے اپنے تجزیے میں کہا تھا کہ اس شخص کا افغانستان میں زیادہ قیام جہاں سینکڑوں عرب عسکریت پسندی کی تربیت حاصل کررہے ہیں، امریکہ کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

واشنگٹن اور نیویارک پر ہوئے حملوں کے بعد کے سالوں میں گینا نے خفیہ اداروں کے القاعدہ سے متعلق تخمینوں کے حوالے سے اہم کردار ادا کیا اور اس دوران اپنے پانچ بچوں کی پرورش بھی کرتی رہیں۔ ڈیوڈ لو گینا کی تجزیاتی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اگر کسی دن دوپہر کے وقت ان کے دفتر گیا اور کہا کہ فلاں شخص پر مجھے 15 صفحے کی رپورٹ چاہیے تو آدھے گھنٹے بعد وہ رپورٹ میرے سامنے ہوتی تھی، وہ واقعی بہت تیز کام کرنے والی خاتون ہیں۔

شوائر کی ٹیم نے نائن الیون سے قبل جارحانہ کوششیں کیں کہ کسی طرح وہ اسامہ کو پکڑ لیں مگر ان کی یہ تمام کوششیں کنفیوژن پر جا کر منتج ہوئیں۔ بل کلنٹن کی سیکورٹی انتظامیہ کے سینیئر اہلکاروں کا خیال تھا کہ صدر نے اسامہ کے قتل کے احکامات جاری کیے ہیں جبکہ دوسری طرف سی آئی اے کے اہلکار یہ سمجھ رہے تھے کہ انہیں اسامہ کو گرفتار کرنا ہے اور ناگزیر صورت حال میں اسے مارنا ہے۔ 1999 میں جب احمد شاہ مسعود طالبان کے خلاف خونی جنگ کررہا تھا اس وقت سی آئی اے کے اہلکاروں نے اسے بتایا کہ ہم اسامہ کو گرفتار کرنا ہے اور مارنا نہیں ہے تو احمد شاہ مسعود کا ردعمل یہ تھا:

''تم لوگ احمق ہو، اور ذرا بھی نہیں بدلے ہو''

افغانستان میں سی آئی اے کا جو عملہ تھا، اسامہ ان کی نظروں کے سامنے نائن الیون

سے قبل کئی بار آیا۔ کلنٹن کی کاؤنٹر ٹیررزم انتظامیہ کے چیف رچرڈ کے مطابق کم از کم تین بار وہ ان کے نشانے پر تھا جب کہ شوئر کا کہنا ہے کہ کم از کم دس ایسے مواقع ہمیں ملے تھے کہ ہم اسامہ کو گرفتار کر سکتے تھے۔ حقیقی تعداد جو بھی ہو لیکن ایک بات مصدقہ ہے کہ فروری 1999 میں قندھار میں سی آئی اے کی ٹیم اس پوزیشن میں تھی کہ وہ اسامہ کو گرفتار کر سکتی تھی یا مار سکتی تھی۔ سیٹلائٹ کے ذریعے امریکہ کو جو تصویریں ملیں ان سے صاف پتہ لگتا تھا کہ اسامہ وہاں موجود ہے، کلنٹن انتظامیہ کروز میزائل سے حملے کی تیاری کر رہی تھی جب انہیں پتہ چلا کہ وہاں اسامہ کے ساتھ متحدہ عرب امارات کے کچھ شہزادے بھی موجود تھے۔ امریکہ کو ڈر تھا کہ حملے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اسامہ بچ جائے اور متحدہ عرب امارات کے شہزادے مارے جائیں جو اس وقت امریکہ کا اتحادی ملک تھا۔ 11 فروری کو جب حملے کی تیاری آخری مرحلے میں تھی تو یہ آپریشن کلارک اور سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ کی طرف سے معطل کر دیا گیا۔ اس کے چند دن بعد جو خفیہ رپورٹیں موصول ہوئیں ان سے پتہ چلا کہ اسامہ وہاں سے کہیں اور چلا گیا ہے۔

1994 میں سوڈان میں اسامہ کو قتل کرنے کی جو کوشش ہوئی تھی اس کے بعد اسامہ کو اپنی سکیورٹی کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ اس حملے کے بعد اسامہ جلدی جلدی اپنی لوکیشن تبدیل کرتا رہتا اور ہمیشہ اپنے انتہائی وفادار باڈی گارڈز کے گھیرے میں رہتا۔ نائن الیون سے قبل کروز میزائل حملے میں اسامہ کا شکار کرنا مشکل تھا کیونکہ اس کے بارے میں خفیہ رپورٹیں مصدقہ نہیں ہوتی تھیں۔

1997 میں جب میں سی این این میں پروڈیوسر تھا اس وقت تین لوگوں کی اس ٹیم کا میں بھی ایک حصہ تھا جس نے اسامہ کا کسی بھی ٹی وی کے لیے پہلا انٹرویو لیا۔ اس موقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ القاعدہ ممبران اپنے لیڈر کے تحفظ کے لیے

کتنی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو رات پڑنے کے بعد اس جگہ لے جایا گیا جہاں اسامہ موجود تھا۔متعدد بار ہماری گاڑیاں بدلیں جبکہ آنکھوں پر مسلسل پٹی بندھی رہی۔ اور کئی دفاعی حصاروں کو عبور کرنے کے بعد ہم اسامہ تک پہنچے۔ ہماری مکمل تلاشی کی گئی اور اس کے بعد یہ جاننے کے لیے کہ ہمارے پاس اسلحہ یا کوئی ٹریکنگ ڈیوائس تو نہیں ایک گارڈ نے ہمارے جسموں پر کوئی دھاتی مشین پھیری۔ (یہ دھاتی مشین کام نہیں کر رہی تھی مگر بن لادن کے صلاح کاروں نے غالبا اسے کہا تھا کہ سی این این کی ٹیم کو ان سے بے وقوف بنانا اہم ہے...... غالبا اس بات پر بعد میں وہ بیٹھ کر ہنسے ہوں گے۔)

نیویارک اور واشنگٹن پر حملوں کے سالوں بعد تک اگرچہ امریکہ اسامہ کے حوالے سے کوئی پیشرفت نہ کر سکا مگر سی آئی اے کے حکام کو یقین تھا کہ اسامہ کی پہیلی ایسی نہیں کہ اسے بوجھا نہ جا سکے۔ انہوں نے کیس کی ایک قابل عمل تھیوری تیار کر لی تھی...... وہ کن حالات میں رہ رہا ہوگا، کون لوگ ممکنہ طور پر اس کو پناہ دے سکتے ہیں، اور یہ کہ وہ کہاں موجود ہو سکتا ہے۔ ابتدا میں ہی تجزیہ کار اس حوالے سے یک سو تھے کہ اسامہ اپنے مضبوط ترین ٹھکانوں افغانستان اور پاکستان کو چھوڑ کر اپنے آبائی وطن یمن نہیں جا سکتا کیونکہ ایک تو اسامہ یمن میں اتنا جانا پہچانا شخص تھا کہ اس کا چھپنا ناممکن تھا اور دوسری بات یہ کہ اسامہ کو نظریاتی اور عملی سطح پر ٹھوس حمایت جنوبی ایشیا میں ہی حاصل تھی۔

آہستہ آہستہ سی آئی اے نے اسامہ کے ان پرانے افغان اتحادیوں کو بھی اپنے شک کے دائرے سے خارج کر دیا جو اسامہ کے ساتھ سوویتوں کے خلاف جنگ میں شامل رہے تھے۔ طالبانی ملیشا حقانی جن کی قیادت جلال الدین حقانی کے پاس تھی، اس سے اسامہ کے اچھے تعلقات تھے مگر کاؤنٹر ٹیررزم محکمے کے اہلکاروں کا خیال تھا کہ

بہت کم امکان ہے کہ اسامہ حقانیوں کی پناہ میں ہو۔ اس کے علاوہ ایک نام گلبدین حکمت یار تھا جو اسامہ کو پناہ دے سکتا تھا مگر اینٹی ٹیرر زم کے تجزیہ کاروں کا خیال تھا کہ حکمت یار جتنی دفعہ پینترے بدل چکا تھا اس کے بعد اسامہ جیسے شخص کے لیے حکمت یار پر اعتماد کرنا اور اپنی زندگی اس کے سہارے پر چھوڑنا مشکل تھا۔

بن لادن کی تلاش میں سرگراں حکام بار باران آڈیو اور ویڈیو ٹیپس کو دیکھ رہے تھے جو اسامہ گاہے گاہے جاری کرتا رہا تھا تاکہ اس کی صحت، ذہنی حالت اور ممکنہ طور پر لوکیشن کے بارے میں کوئی اشارہ حاصل ہو سکے۔ 29 اکتوبر 2004 کو بن لادن تین سال کے عرصے میں پہلی بار اپنے ویڈیو ٹیپ کے ساتھ سامنے آیا، امریکی انتخابات سے پانچ دن پہلے کے اس ویڈیو پیغام میں اسامہ نے بش اور جان کیری کے قریبی مقابلے کے پس منظر میں امریکی عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ان انتخابات میں کوئی بھی جیتے یا ہارے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن امریکہ اگر القاعدہ کے حملوں سے بچنا چاہتا ہے تو اسے لازماً اسلامی دنیا کے حوالے سے اپنی خارجہ پالیسی کو بدلنا ہوگا۔ بش انتظامیہ کا سینئر اہلکار فران ٹاؤن سینڈ اس ویڈیو ٹیپ کے حوالے سے کہتا ہے کہ ہم حیرت سے اسامہ کا یہ ویڈیو پیغام سن رہے تھے کہ گویا وہ کسی جائز آئیڈیالوجی کا نمائندہ ترین لیڈر رہے جو پوری دنیا کو مخاطب ہے۔

امریکیوں کے لیے پریشان کن امر یہ تھا کہ اس طرح کے ویڈیو پیغامات سے انہیں اسامہ کی لوکیشن کے حوالے سے کوئی بھی اشارہ نہیں مل رہا تھا۔ نائن الیون کے بعد اسامہ کی طرف سے 30 کے قریب آڈیو اور ویڈیو ٹیپ جاری کیے گئے مگر ان سب کے پس منظر میں انہیں ایک بھی ایسا اشارہ نہ ملا کہ جس سے انہیں پتہ چلتا کہ اسامہ کہاں ہے؟ امریکی حکام کو اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے وہ یہ ٹیپ صرف اس لیے بار بار سن رہے تھے کہ کوئی ایسا اشارہ انہیں مل جائے جو انہیں اسامہ

تک پہنچا دے۔ اگر اسامہ کی یہ ٹیپ چلتے پھرتے ریکارڈ ہوتے تو امریکی حکام ماہرین ارضیات سے مدد لے سکتے تھے۔حتی کہ ایک ٹیپ میں کسی پرندے کے چہچہانے کی آواز آئی تو اس کی جانچ کے لیے جرمنی سے ماہرین بلائے گئے۔اسامہ کے ویڈیو ٹیپ میں نظر آنے والے درختوں کی جانچ کے لیے بھی ماہرین کی خدمات لی گئیں کہ آیا یہ پودے کسی خاص علاقے سے مخصوص تو نہیں،مگر ان میں سے ایک بھی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

پینٹا گان میں حکام پریشان تھے۔نائن الیون کی دوسری برسی کے موقع پر اسامہ کی طرف سے ایک اور ویڈیو ٹیپ جاری ہوا جس میں وہ کسی پہاڑی علاقے میں چلتا نظر آرہا تھا۔ماہرین کے مطابق یہ پہاڑ اسی طرح کے تھے جیسے پہاڑ افغان صوبے کنڑ میں پائے جاتے ہیں۔مگر اس ٹیپ میں جو جھاڑیاں نظر آرہی تھیں ان کے بارے میں کوئی نتیجہ ماہرین نہ نکال سکے۔پینٹا گون کی طرح سی آئی اے کے حکام بھی ہر اس رپورٹ پر متحرک ہو جاتے جو اسامہ کی لوکیشن کے حوالے سے کوئی اشارہ دے رہی ہوتی۔ہر بار ایک چھوٹا سا آپریشن جس کا نام 'Where's Waldo?' ہوتا تھا شروع ہو جاتا۔

تاہم ان ٹیپس سے ایک اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ اسامہ کس طرح کے حالات میں زندگی گزار رہا تھا۔سی آئی اے اور پینٹا گون حکام ماضی میں اس طرح کے افراد کی تلاش کے حوالے سے ہوئے آپریشنز پر بھی غور کر رہے تھے۔انہوں نے اس کیس کا بھی تجزیہ کیا جس میں اسرائیل نے ایڈولف ایچ مان کا سراغ لگایا تھا۔یاد رہے کہ ایچ مان وہ شخص تھا جس کی وجہ سے دوسری جنگ عظیم میں نازیوں نے ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا تھا۔ایچ مان جرمنی سے بیونس آئرس ارجنٹائن چلا گیا جہاں وہ اپنے خاندان کے ہمراہ نام بدل کر ایک پرسکون زندگی گزارنے لگا۔وہ پندرہ سال تک وہیں رہا۔مگر ایچ مان کے بیٹے نے اس کی ساری بازی الٹ دی جس نے اپنی گرل فرینڈ کے باپ

کو مان کے نازی ماضی سے متعلق سب کچھ بتا دیا۔گرل فرینڈ کا باپ جو آدھا یہودی تھا
،اس نے جرمنی میں ایک جج سے رابطہ کیا جو سابق نازیوں کو سزا دینے میں سب سے
آگے رہا تھا۔اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کو کسی طرح اس کی بھنک مل گئی اور انہوں نے
اپنے لوگوں کو بیونس آئرس بھیجا جو ایچ مان کو اغوا کر کے اسرائیل لے گئے جہاں اس
کے خلاف عدالتی کارروائی شروع کی گئی۔اس کیس سے سی آئی کو اندازہ ہوا کہ کسی
مفرور شخص تک رسائی کے لیے اس کے فیملی ممبران کی نگرانی اہم ترین ہوتی ہے۔

ایک اور کیس جس کا سی آئی اے نے تجزیہ کیا وہ تھا پیبلو ایسکو بار کو پکڑنے کا
آپریشن......ایسکو بار کولمبیا کا نشے کا بڑا بیوپاری تھا جو انیس سو اسی کی دہائی میں امریکہ
میں کوکین کی تجارت کا بے تاج بادشاہ تصور ہوتا تھا اور جو کولمبیا کے کئی اہم سیاستدانوں
اور صحافیوں کے قتل اور اغوا میں ملوث تھا۔اسامہ کے برعکس ایسکو بار کی لوکیشن کے
بارے میں سب کو معلوم تھا کہ وہ اپنے آبائی قصبے میڈیلین میں قیام پذیر تھا جہاں وہ کم
سن لڑکیوں کے ساتھ جنسی عمل اور اپنے دشمنوں کو اذیتیں دے کر مارنے کے حوالے
سے شہرت رکھتا تھا۔اس کے باوجود کہ کولمبین پولیس، امریکی سی آئی اے اور امریکی
سپیشل فورسز کے دستوں کو اس کی لوکیشن کے بارے میں معلومات حاصل تھیں، ایسکو
بار کو پکڑنے میں دو سال کا عرصہ لگا اور اس سلسلے میں ایسکو بار کا مخالف گینگ کالی بھی
ان فورسز کی مدد کر رہا تھا۔ایسکو بار قصبے میں آمد و رفت کے لیے گمنام ٹیکسی کاروں کا
استعمال کرتا اور جب وہ اپنے ریڈیو فون سے اپنے ساتھیوں سے بات کرتا تھا تو
مسلسل اپنی فریکوئنسی تبدیل کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اس کی لوکیشن کا پتہ لگا پانا
مشکل ہو رہا تھا۔

مگر آخر میں یہ شخص اپنے بیٹے کی محبت میں مارا گیا۔ایسکو بار ٹیلی فون کرتے
ہوئے ہمیشہ مختصر بات کرتا تھا کیونکہ وہ امریکیوں کی اس مہارت کے بارے میں بخوبی

جانتا تھا کہ وہ سگنل کے ذریعے لوگوں کا پتہ لگا لیتے ہیں۔مگر ایک دن وہ اپنے سولہ سالہ بیٹے جان پیبلو سے کئی منٹ تک گفتگو کرتا رہا اور یہ کافی سے زیادہ وقت تھا جس میں کولمبین پولیس نے امریکہ کی فراہم کردہ ڈائریکشن فائنڈنگ ٹیکنالوجی کے ذریعے اس کی لوکیشن کا تعین کر لیا۔ پولیس اس کے بعد اس گلی پر ٹوٹ پڑی جہاں ایسکو بار موجود تھا اور وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا۔

ایسکو بار کے آپریشن سے دو سبق ملے، ایک تو یہ کہ فیملی سے آپ کی محبت آپ کو پکڑوا سکتی ہے اور دوسرا یہ کہ فون پر لمبی بات نہیں کرنی چاہیے۔مگر جیسا کہ مائیکل ہیڈن جو جارج ڈبلیو بش کے دوسرے دور میں زیادہ وقت سی آئی اے کے سربراہ رہے کا کہنا ہے ''آپ اپنے سارے موبائل فون سیٹ پھینک سکتے ہیں، مگر اس سے آپ کی رفتار پر اثر پڑے گا۔ آپ کی نقل حرکت سست ہو جائے گی۔اس لیے ہمارے حاصلات یہ ہیں کہ وہ اپنے فون نہیں پھینکیں گے۔ وہ لازماً احتیاط کریں گے مگر وہ اپنے فون سیٹ پھینک نہیں سکتے'' مگر مسئلہ یہ تھا کہ اسامہ ٹیلی فون کا استعمال نائن الیون سے بھی کہیں پہلے ترک کر چکا تھا۔ برطانیہ میں مقیم اسامہ کے میڈیا ایڈوائزر خالد الفواد کے مطابق بن لادن نے 1997 سے برقیاتی مواصلات کا استعمال چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اس کی وجہ سے ان کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔القاعدہ کی قیادت چیچن وزیر اعظم زوخر دودایاف کی ہلاکت کے بعد اس حوالے سے اور بھی زیادہ چوکس ہو گئی تھی جسے روسی میزائل نے ان کے سیل فون سے خارج ہونے والے سگنل کے ذریعے میزائل کا نشانہ بنایا تھا۔اس وقت عالمی جہاد تحریک کے حوالے سے القاعدہ کی توجہ کا مرکز چیچنیا تھا۔

کاؤنٹر ٹیررزم کے اہلکاروں نے 1996 کے اولمپک کھیلوں کے دوران اٹلانٹا میں بم حملے کرنے والے ایرک روڈلف کے کیس کو بھی غور سے دیکھا۔اس کی تلاش کو بھی ایف بی آئی کی تاریخ کا یادگار ترین آپریشن کہا جاتا ہے۔ایرک روڈلف نے کئی سال

تک شمالی کیرولینا کے جنگلی اور پہاڑی علاقوں میں چھپ کر ایف بی آئی سے بچنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ پانچ سال تک وہ ایف بی آئی کی گرفت سے بچا رہا اور اس کی تلاش کا کام سرد پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے مفرور اشتہاری نے زیادہ خطرات مول لینے شروع کر دیے اور وہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ٹیکو بیل جیسی فاسٹ فوڈ دکانوں پر جانے لگا تھا۔ ایک دن تیز ڈرائیونگ کرتے ہوئے یہ شخص پکڑا گیا۔ اس کیس سے یہ سبق ملا کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے شکار زیادہ پرسکون ہو کر زیادہ رسک لینا شروع کر دیتا ہے اور ایسے وقت میں قسمت ساتھ دے تو مفرور بآسانی ہاتھ آ جاتا ہے مگر اسامہ کے معاملے میں قسمت پر زیادہ تکیہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جس مجرم کو اسامہ بن لادن کیس سے زیادہ مشابہت تھی وہ تھا ایمل کانسی کا کیس جس نے 25 جنوری 1993 میں سی آئی اے کے ورجینیا ہیڈ کوارٹر میں داخلی دروازے کے قریب سی آئی اے کے دو اہلکاروں کو قتل کیا تھا۔ ایمل کانسی کا تعلق پاکستان کے شہر کوئٹہ سے تھا۔ اس کا پیچھا تندہی سے نہ کیا گیا اور یوں یہ شخص اگلے دن پاکستان جانے والی پرواز کے ذریعے واپس پاکستان پہنچ گیا۔ کانسی کو پکڑنے میں چار سال کا عرصہ لگا۔ کانسی افغان پاکستان بارڈر پر چھپا رہا تھا۔ جس آدمی نے کانسی کو پکڑا اس کا نام تھا براڈ گیرٹ جو ایف بی آئی کا سپیشل ایجنٹ تھا۔ یہ ایجنٹ چار سال تک افغان پاکستان بارڈر کے علاقے میں کانسی کی تلاش میں سرگراں رہا اور پھر کانسی نے وہ مہلک غلطی کر دی۔ اور وہ غلطی یہ تھی کہ وہ طالبان کے زیر قبضہ علاقوں کو چھوڑ کر وسطی پاکستان کے علاقوں میں چلا گیا تھا۔ ایک ایسا ملک جہاں اس وقت زیادہ امریکی موجود نہ تھے، کانسی اس علاقے میں داخل ہو گیا جہاں گیرٹ نے ان سالوں میں اپنے کئی مخبر پیدا کر لیے تھے۔ ان مخبروں کی اکثریت کا تعلق امریکہ کی ڈرگ انفورسمنٹ انتظامیہ سے تھا کیونکہ پاکستان کا ہیروئن کی تجارت میں اہم کردار رہا تھا۔ گیرٹ کو ایک قبائلی مخبر سے

پتہ چلا کہ کانسی اس سے ملنے والا ہے۔ اس مخبر نے بیس لاکھ کے انعام کے لالچ میں جو کانسی کے سر کی قیمت تھی وہ پانی کا گلاس بھی گیرٹ کے حوالے کر دیا جس سے اس نے پانی پیا تھا، اس گلاس پر موجود فنگر پرنٹس کانسی کے فنگر پرنٹس سے میچ ہو گئے اور یوں گیرٹ نے 1997 میں پاکستانی شہر ڈیرہ غازی خان سے کانسی کو گرفتار کر لیا۔

نائن الیون کے دو سال بعد تک کسی نے یہ تردد نہ کیا کہ وہ گیرٹ کو بلاتے اور اس سے پوچھتے کہ اس نے کانسی کو کس طرح پکڑا تھا۔ آخر کار 2003 میں اسے سی آئی اے کی طرف سے بریفنگ کے لیے بلایا گیا۔ مگر گیرٹ کا پہلا مشورہ ہی سخت تھا اور وہ یہ کہ پاکستانیوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے بتایا کہ جب بھی اس نے کسی پاکستانی سے بات کی، تو معلومات فوراً ہی لیک ہو گئیں، گیرٹ نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ ایک دن اس نے کسی پاکستانی سے بات کی تو اگلے دن پاکستانی اخبار ڈان میں یہ خبر شائع ہو گئی۔

ان تمام کیسز سے اسامہ کی تلاش کے حوالے سے کچھ زیادہ مدد نہ مل سکی۔ اسامہ کو پکڑنے میں پاکستان کی مدد اہم ہو سکتی تھی، یہ آپشن بھی ختم ہو گیا۔ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال اسامہ کر نہیں رہا تھا اس لیے موبائل فون کے سگنلز سے بھی اسے پکڑنا ممکن نہیں تھا، سو آخری حربے کے طور پر یہ کیا گیا کہ اس کے سر کی قیمت بڑھا دی گئی مگر کوئی بھی آگے نہ آیا کیونکہ القاعدہ کے پیروکار اسامہ کو اسلام کا حقیقی نجات دہندہ سمجھتے تھے اور وہ بڑی سے بڑی قیمت کے لیے بھی اسامہ سے غداری کرنے پر تیار نہ تھے۔

بن لادن غائب تھا اور القاعدہ کے مردے میں جان پڑ رہی تھی، پوری صورت حال سی آئی اے کے لیے حوصلہ شکن تھی۔ 2005 میں سی آئی اے کی بن لادن ٹیم کو بند کر دیا گیا اور اس کے آپریٹوز اور تجزیہ کاروں کو دیگر ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ اس فیصلے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اسامہ اب اہم نہیں رہا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نائن الیون

کے اتنے سال بعد بہت سی تبدیلیاں ہو چکی تھیں اور القاعدہ کی نیچر میں کافی ساری تبدیلیاں آچکی تھیں۔

2005 میں ایک تجزیہ کار خاتون ربیکا (فرضی نام) نے 'Inroads' کے نام سے ایک پیپر لکھا جس میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ ایک ایسے شخص کو پکڑنے کے لیے جس کا کوئی سرا نہ مل رہا ہو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ ربیکا نے یہ تحقیق چار ستونوں پر کی، جو بعد میں اسامہ کی تلاش کے مشن کا مرکزی ستون رہے۔ اول اسامہ کے کوریئر نیٹ ورک کے ذریعے، دوم اس کے رشتے داروں کے ذریعے، سوم القاعدہ کی لیڈرشپ کے ساتھ اسامہ کا ابلاغ اور چوتھا ستون یہ کہ گا ہے گا ہے اسامہ جو میڈیا تک اپنی ٹیپس پہنچا رہا تھا، ان کے ذریعے سے اس تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

ان چاروں میں سے آسان طریقہ وہ پیغامات تھے جو اسامہ میڈیا کے لیے بھیج رہا تھا جو عموماً الجزیرہ پر سب سے پہلے نشر ہوتے تھے۔ اس میں مسئلہ یہ تھا کہ یہ پیغامات کوئی ایک کوریئر لے کر نہیں آتا تھا بلکہ کئی ہاتھوں سے ہو کر منزل تک پہنچتے تھے بلکہ بسا اوقات تو یہ صرف الجزیرہ کے دوحہ میں موجود ہیڈکوارٹر کے پتے پر بھیج دیے جاتے تھے۔

کاؤنٹر ٹیررزم یونٹ اپنے اس مفروضے کو تو رد کر چکی تھی کہ اسامہ کسی غار میں رہ رہا ہے۔ وہ اس نتیجے پر بھی پہنچے کہ اسامہ کی نقل و حرکت بہت محدود ہے یا بالکل ہی نہیں ہے کیونکہ نائن الیون کے بعد جتنے بھی القاعدہ کے ممبران پکڑے گئے ان میں سے کوئی بھی اسامہ سے نہیں ملا تھا نہ اس نے کسی سے اسامہ کی ملاقات کا ذکر کیا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کچھ پکڑے جانے والے القاعدہ کے ممبران نے یہ ضرور بتایا کہ اسامہ کے کوریئر کے ذریعے انہیں احکامات ملے تھے۔

اسامہ کی تلاش کرنے والوں کو 2009 تک اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ وہ کسی

شہری علاقے میں موجود ہے۔ مئی 2010 کی بات ہے جب پاکستان میں سی آئی اے کا چیف اوبامہ کے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزرز کے ساتھ اسلام آباد سے واشنگٹن پرواز کے ذریعے محوسفر تھا جب ان میں سے کسی نے پوچھا کہ اسامہ کہاں چھپا ہوگا؟ پوچھنے والے نے یہ بھی کہا کہ ہر شخص کو تقریباً یہ یقین ہے کہ وہ کراچی میں کہیں روپوش ہے۔ پاکستان میں سی آئی اے کے سٹیشن چیف نے کہا کہ قطعاً نہیں۔ وہ اسلام آباد کے گردونواح میں تقریباً ساٹھ میل کے دائرے میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ اس واقعے کے چھ ماہ بعد سی آئی اے نے اسامہ کے کوریئر کو اسلام آباد سے 35 میل کی دوری پر ایبٹ آباد میں ڈھونڈ لیا۔

سی آئی اے نے تھک ہار کر تجزیہ کاروں کی چار ستونوں پر مبنی اپروچ کے حوالے سے اس شخص کی تلاش شروع کر دی جو اسامہ کا کوریئر ہو سکتا تھا۔ سی آئی اے نے اندازہ لگایا کہ کوریئر کو لازماً عربی زبان میں اور مقامی زبان میں مہارت ہونی چاہیے تا کہ وہ عرب القاعدہ لیڈر شپ اور مقامی لوگوں کے درمیان ابلاغ کی ضرورت پورا کر سکے۔ الکویتی ان تمام ضروریات پر پورا اترتا تھا جس کے خاندان کا تعلق پاکستان کے شمالی علاقوں سے تھا جبکہ اس کی زندگی کا زیادہ تر حصہ کویت میں گزرا تھا۔ ایک اور بات جو سی آئی اے کے ذہن میں تھی، وہ یہ کہ اسامہ کا کوریئر کوئی ایسا شخص ہوگا جو نائن الیون سے قبل القاعدہ کا رکن رہا ہو۔ الکویتی اس شرط پر بھی پورا اترتا تھا کیونکہ خفیہ معلومات کی روشنی میں اسنے 1999 میں القاعدہ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ ان سب معلومات کے باوجود سی آئی اے میں بہت کم لوگوں کو یہ امید تھی کہ کویتی وہ اہم ترین شخص ہوگا جو انہیں اسامہ تک پہنچا دے گا۔

6۔کوریئر کا تعاقب

اسامہ تک پہنچنے کی طویل کھوج کے سفر کا آغاز محمد القحطانی سے ہوا۔قحطانی وہ شخص ہے جسے القاعدہ نے نائن الیون حملوں میں بیسویں ہائی جیکر کے طور پر استعمال کیا تھا۔ وہ ایک ان پڑھ قسم کا دیہی سعودی شہری تھا جس کی سکول کی کوئی تعلیم نہ تھی۔2000 میں 25 سالہ سعودی قحطانی ایک طرح کے مذہبی تجربے سے گزرا جس نے اس کی زندگی کا راستہ بدل دیا،ان دنوں وہ یو اے ای میں ایمبولنس کی ڈرائیوری کرتا تھا،اس نے یہ نوکری چھوڑی اور شمالی اتحاد کے خلاف طالبان کے جہاد میں شرکت کے لیے افغانستان پہنچ گیا۔

افغانستان میں اس نے جہادی تربیت لی اور 2001 میں اس کی ملاقات اسامہ سے ہوئی جو ان دنوں واشنگٹن اور نیویارک پر حملوں کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔بن لادن نے قحطانی سے کہا کہ اگر وہ اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو جا کر خالد شیخ محمد سے ملے جو امریکہ پر حملوں کا آپریشنل کمانڈر رہے۔جون 2011 کے آخر میں قحطانی ایک بار پھر اسامہ سے ملا اور اسے بتایا کہ وہ امریکہ پر حملہ مشن میں شامل ہونے کو تیار ہے۔خالد شیخ محمد نے قحطانی کو بتایا کہ پہلے وہ سعودی عرب جائے اور ایک بالکل شفاف پاسپورٹ کے ذریعے وہاں سے امریکہ پہنچے۔4 اگست 2001 کو قحطانی فلوریڈا پہنچ چکا

تھا۔ جہاں پارکنگ میں لیڈنگ ہائی جیکر محمد عطا گاڑی کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

عطا نے نائن الیون حملوں میں استعمال ہونے والے طیاروں کے اغوا کے سلسلے میں قحطانی کی ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ مسافروں اور عملے کے افراد پر نظر رکھے گا۔ مگر ائیر پورٹ کے عملے کے ایک اہلکار کو شک گزرا کہ قحطانی ایک تو انگلش نہیں بول سکتا تھا اور دوسرا اس کے پاس واپسی کا ٹکٹ بھی نہیں تھا۔ ترجمان کے ذریعے ائیر پورٹ کے عملے نے جب قحطانی سے دریافت کیا کہ وہ امریکہ کس مقصد کے لیے آیا ہے تو وہ غصے سے بھڑک اٹھا۔ اور جب اسے کہا گیا کہ وہ امریکہ نہیں رہ سکتا تو اس نے دھمکی آمیز انداز میں کہا کہ میں دوبارہ آؤں گا۔

اس کے بعد قحطانی واپس افغانستان آ گیا اور تورا بورا لڑائی کے دوران پاکستان کی طرف فرار ہوتے ہوئے القاعدہ کے لیڈر کے دیگر باڈی گارڈز کے ہمراہ پکڑا گیا، پاکستانی حکام نے انہیں امریکہ کے حوالے کر دیا۔ جہاں سے قحطانی گوانتانا موبے بھیج دیا گیا۔ جولائی 2002 میں امریکی حکام نے اس کے فنگر پرنٹس کی مدد سے یہ جاننے میں کامیابی حاصل کر لی کہ یہ وہ شخص ہے جو ایک سال قبل فلوریڈا سے ڈی پورٹ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس سے تفتیش میں شدت آ گئی۔

23 نومبر 2002 اور 11 جنوری 2003 کے درمیان قحطانی کو مسلسل 48 دنوں تک متواتر تفتیش کے مرحلے سے گزرنا پڑتا تھا۔ صبح چار بجے سے شروع ہونے والا یہ تفتیشی سلسلہ آدھی رات کے قریب تک جاری رہتا۔ اگر اسے نیند آنے لگتی تو اسے پانی میں غوطے لگائے جاتے یا کرسٹینا آگلیرا کا تیز میوزک والا گانا چلا دیا جاتا۔ اسے کتوں کی طرح حرکتیں کرنے پر مجبور کیا جاتا، عموماً بہت ہی کم درجہ حرارت پر رکھا جاتا، ننگا کھڑا رکھا جاتا اور جب کبھی وہ بے ہوش ہونے لگتا تو اسے ڈرگز کے ذریعے ہوش میں رکھا جاتا تاکہ تفتیش جاری رہ سکے۔

گوانتانا موبے کی جیل میں روا رکھے جانے والے متشدد عمل کی وجہ سے قحطانی کے رویے میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔ ایک ایف بی آئی اہلکار نے بعد میں یہ لکھا کہ نفسیاتی طور پر قحطانی ایک ٹراما کے اثر میں آ گیا تھا، وہ وہاں ناموجود لوگوں سے باتیں کرتا، بتاتا کہ اسے آوازیں سنائی دیتی ہیں، اور کئی کئی گھنٹوں تک وہ اپنے قید خانے کی دیوار پر کھروچیں لگاتا رہتا۔ اس سلسلے میں بش انتظامیہ کے گوانتانا موبے ملٹری کمیشن کی نگرانی کے لیے بننے والے عدالتی کمیشن کی سربراہ سابق فیڈرل جج سوسن کرافورڈ نے مسلسل قید تنہائی، نیند سے محرومی، ننگا رکھنے اور ٹھنڈ میں رکھنے کے اثرات کے حوالے سے اپنے فیصلے میں کہا کہ یہ سب باتیں تشدد کے ذمرے میں آتی ہیں، جس کے بعد کرافورڈ نے قحطانی کو کسی بھی قسم کی سزا سے روکنے کا حکم دے دیا۔

وکی لیکس نے بھی گوانتانا موبے کی تفتیشوں کے حوالے سے جو خفیہ رپورٹیں شائع کیں ان میں قحطانی کو دی جانے والی سزاؤں کا ذکر تھا۔ ان خفیہ رپورٹوں میں یہ بھی درج تھا کہ ہفتوں تک جاری رہنے والے اس تشدد کے بعد قحطانی نے تفتیش کاروں کو یہ بتایا کہ خالد شیخ محمد نے اس کا تعارف ایک شخص ابواحمد الکویتی سے کرایا جس نے قحطانی کو بتایا کے امریکہ میں رہتے ہوئے القاعدہ ارکان سے خفیہ روابط کو کیسے جاری رکھنا ہے۔ جولائی 2001 میں کویتی اسے پاکستان کے مصروف شہر کراچی کے ایک انٹرنیٹ کیفے میں لے گیا اور اسے خفیہ کمیونیکیشن کے حوالے سے سکھایا۔

قحطانی کے تسلیم کرنے کے بعد امریکی حکام کو پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ کویتی القاعدہ میں اور خالد شیخ محمد کے حوالے سے اہم شخص ہے۔ یہ بات ابھی تک معلوم نہیں ہوسکی کہ خالد شیخ محمد کے بارے میں قحطانی نے جو معلومات فراہم کی اس کی وجہ جیل میں اس کے ساتھ روا رکھا جانے والا تشدد تھا یا اس کی وجہ یہ تھی کہ حکام نے اسے بتایا تھا کہ خالد گرفتار ہو چکا ہے اور امریکی قبضے میں ہے اس لیے قحطانی نے ایک گرفتار آدمی کے

حوالے سے معلومات فراہم کرنے میں تردد نہ کیا۔ یاد رہے کہ خالد شیخ محمد یکم مارچ 2003 کو کراچی سے گرفتار ہوا تھا۔ تاہم کویتی کے بارے میں قحطانی نے ساری تفاصیل اس وقت فراہم کیں جب اسے شدید طور پر زدوکوب کیا گیا تھا۔

امریکی تفتیش کاروں کو اب یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ کویتی نے نائن الیون حملوں کے مرتکبین کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ تاہم ان حکام کو ابھی تک یہ بات معلوم نہ ہو سکی تھی کہ کویتی اسامہ کا خاص کوریئر ہے۔ ابھی تک کویتی بھی ان ہزاروں القاعدہ ممبران اور ان کے مددگاروں میں سے ایک نام تھا جو گوانتا ناموبے کے جیلوں میں القاعدہ ممبران نے بتائے تھے یا جو طالبان حکومت کے گرائے جانے کے بعد وہاں سے ملنے والے کاغذات سے انہیں پتہ چلا تھا۔

2003 میں جب خالد شیخ محمد گرفتار ہوا تو سی آئی اے کو پہلی بار ایسا لگا کہ وہ اب اسامہ بن لادن کو بھی تلاش کر لیں گے۔ مائیکل شوئر جو 1995 سے سی آئی اے میں اسامہ کی گرفتاری کے لیے بنائے گئے کمیشن پر مغز ماری کر رہا تھا، وہ اس مفروضے سے متفق نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسامہ کی سکیورٹی لازماً خالد شیخ محمد سے زیادہ ہوگی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خالد شیخ محمد کی قیام گاہ سے جو تصویریں اور نقشے ملے ان سے اسامہ کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات نہیں مل سکی تھیں۔

ابتدا میں خالد شیخ محمد پاکستانی حکام کے زیر حراست رہا جہاں اس نے کافی اہم معلومات مہیا کیں جو سی آئی اے تک نہ پہنچ سکیں یا ان کے بارے میں سی آئی اے کو نہ بتایا گیا۔ خالد شیخ محمد نے اپنی گرفتاری کے اگلے دن پاکستانی تفتیش کاروں کو بتایا کہ اسامہ شاید افغانستان کے صوبے کنڑ میں ہوگا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اسامہ کی طرف سے جو آخری خط اسے لکھا گیا اس میں بتایا گیا تھا کہ اسامہ احمد الکویتی اور امین الحق نامی دو اشخاص کی مدد سے تورا بورا سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ معلومات

بالکل درست تھیں۔ یہ بھی ابھی تک واضح نہیں کہ پاکستانی حکام نے خالد شیخ محمد سے یہ معلومات اگلوائی کیسے؟ ویسے پاکستانی تفتیش کار سخت اذیتیں دینے کے حوالے سے خاصے معروف ہیں۔

اس کے بعد خالد شیخ محمد کو امریکہ کے سپرد کر دیا گیا، مگر امریکیوں کی طرف سے 183 بار واٹر بورڈنگ کی سزا اور پورے ایک ہفتے تک بیڑیوں میں باندھ کر بالکل سیدھا رکھے جانے کے باوجود خالد شیخ محمد نے اس بات کا اعتراف نہ کیا کہ کویتی کا القاعدہ میں کوئی کلیدی کردار ہے بلکہ 2003 کے آخر میں اس نے امریکی تفتیش کاروں کو یہ بتایا کہ کویتی تو ریٹائر ہو چکا ہے۔ مگر سی آئی کو خالد شیخ محمد سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ تھی کہ وہ القاعدہ کے اہم ترین افراد کے بارے میں معلومات دے سکتا ہے اس لیے سی آئے کے سنجیدہ ترین تجزیہ کار فریڈریشیا نے ایجنسی کے ہیڈکوارٹر ورجینیا سے پولینڈ کا سفر کیا تاکہ وہ خود خالد شیخ محمد کو واٹر بورڈنگ کی سزا پاتا دیکھ سکے اور خود معلومات تک رسائی کی کوشش کر سکے۔

کویتی کی ریٹائرمنٹ کی اطلاع سی آئی اے کو اس وجہ سے ہضم نہ ہو سکی کیونکہ بہت کم القاعدہ لیڈران ایسے تھے جو ریٹائر ہوتے تھے۔ مگر خالد شیخ محمد کی چند ماہ قبل دی گئی معلومات کی وجہ سے تھائی لینڈ سے القاعدہ سے الحاق یافتہ جنوب مشرقی ایشیا کی جماعہ اسلامیہ کا کے ایک اہم لیڈر حنبلی گرفتار ہو چکا تھا۔ جب سی آئی اے نے حنبلی سے تفتیش کی تو اس نے بتایا کہ جب طالبان حکومت کا افغانستان سے خاتمہ ہوا تو وہ وہاں سے کراچی القاعدہ کے ایک سیف ہاؤس میں منتقل ہو گیا جس کا انتظام کویتی چلاتا تھا۔

جس وقت خالد شیخ محمد سی آئی اے کے تفتیش کاروں کو بتا رہا تھا کہ کویتی ریٹائر ہو چکا ہے، ٹھیک اسی وقت سی آئی اے کے پاس موجود القاعدہ کا ایک کوریئر مختلف داستان سنا رہا تھا۔ اس کا نام حسان گل تھا جسے جنوری 2004 کے وسط میں شمالی عراق

سے اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب وہ عراقی القاعدہ لیڈر شپ کا ایک خط جو اسامہ بن لادن کے نام تھا، لے کر جا رہا تھا، اس خط میں کہا گیا تھا کہ القاعدہ عراق میں شیعوں کے خلاف بھرپور جنگی کارروائیاں شروع کرنے جا رہی ہے۔ گل کا تعلق پاکستان سے تھا۔ گل کی پاکستان میں القاعدہ کی اندرونی قیادت تک رسائی تھی، اس لیے اسے مشرقی یورپ کی ایک خفیہ جیل لے جایا گیا۔ اس جیل پر اس پر کئی متشدد طریقے آزمائے گئے جس میں تھپڑیں مارنا، دیوار سے ٹکرانا، مشکل پوزیشنز میں کھڑا رکھنا اور بے خوابی جیسی سزائیں شامل تھیں۔ گل کے تفتیش کاروں نے ننگا کرنا، واٹر بورڈنگ اور غذا سے متعلق سزاؤں کی اجازت بھی طلب کی تھی مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا یہ سزائیں گل پر آزمائیں گئیں کہ نہیں۔ عقوبت خانے کی زندگی سے اکتائے گل نے سی آئی اے کے تفتیش کاروں کو بتایا کہ کویتی القاعدہ قائد کے بہت قریب ہے اور عموماً اس کے ساتھ ہی سفر کرتا ہے۔ گل نے یہ بھی بتایا کہ کویتی خالد شیخ محمد اور ابو فارج اللیبی کا بھی معتمد خاص ہے۔

للیبی دسمبر 2003 میں پاکستان کے اس وقت کے صدر پرویز مشرف پر بھی دو ناکام قاتلانہ حملے کر چکا تھا اس لیے پاکستان کی سکیورٹی انتظامیہ کے لیے بھی وہ اہم ترین ٹارگٹ تھا۔ للیبی کی شناخت اس لیے آسان تھی کیونکہ اس کے چہرے پر برص کے نشان تھے۔ اس لیے دو مئی 2005 کو ایبٹ آباد سے سو میل دور مردان کے شہر سے پاکستانی حکام نے اسے گرفتار کر لیا گیا۔

ایک ماہ بعد للیبی کو امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ مختلف متشدد ذرائع استعمال کر کے سی آئی اے کے تفتیش کاروں نے اس سے معلومات اگلوالیں۔ اس نے بتایا کہ خالد شیخ محمد کی گرفتاری کے بعد اسے اسامہ کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں اسے خالد شیخ محمد کی جگہ پرموٹ کیا گیا تھا اور یوں وہ القاعدہ کا نمبر تین قائد بن

گیا۔جس وقت للیبی کی پروموشن ہوئی اس وقت وہ ایبٹ آباد میں قیام پذیر تھا جس سے سی آئی اے کو پہلی بار یہ اشارہ ملا کہ ایبٹ آباد القاعدہ کی بیس لائن ہے۔مگر سی آئی اے کو سات مزید سال لگ گئے یہ طے کرنے میں کہ ایبٹ آباد اسامہ کی پناہ گاہ ہے۔للیبی نے تفتیش کاروں کو یہ بھی بتایا کہ کویتی کی القاعدہ میں کوئی اہم پوزیشن نہیں ہے بلکہ مولوی عبدالخالق جان زیادہ اہم کوریئر ہے،جس نے اس کی پروموشن کی بابت آگاہ کیا تھا۔ بعدازاں کاؤنٹر ٹیررزم کے حکام اس نتیجے پر پہنچے کہ مولوی عبدالخالق کوئی فرضی نام ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا متشدد طریقے اسامہ تک رہنمائی کا سبب بنے؟ یہ طریقے قحطانی اور اس پاکستانی کوریئر گل پر استعمال کیے گئے جو عراق سے گرفتار ہوا تھا۔ان دونوں سے ملنے والی معلومات کی وجہ سے سی آئی اے اس نتیجے پر پہنچی کہ کویتی وہ شخص ہے،جس پر فوکس کیا جانا چاہیے۔اس حوالے سے دیکھیں تو یہ عقوبتی حربے یقیناً کارگر رہے تھے۔ ان حربوں کے ناقدین یقیناً یہ سوالات اٹھانے میں حق بجانب ہیں کہ یہی طریقے خالد شیخ محمد اور للیبی پر بھی تو استعمال کیے گئے تھے مگر ان دونوں کی طرف سے کویتی کے حوالے سے گمراہ کن معلومات ملیں۔مگر جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ان عقوبتی طریقوں کے علاوہ کچھ اور بھی ذرائع استعمال ہوئے جن کی وجہ سے امریکی حکام اسامہ تک پہنچ سکے۔

سی آئی اے میں خفیہ آپریشن کی نیر ایسٹ ڈویژن کے انچارج رابرٹ ریشر کہتے ہیں کہ بش انتظامیہ کے بار بار کے ان دعووں کے باوجود کہ القاعدہ کے قیدیوں سے ملنے والی معلومات کی وجہ سے امریکہ پر مزید حملے نہ ہوسکے،حقیقت یہ ہے کہ ان قیدیوں سے صرف چند نام ہی مل سکے جن کا ہم پیچھا کر سکتے تھے،امریکہ پر حملے کو روکنے کے حوالے سے ان قیدیوں کی معلومات کا اتنا کردار ہے کہ ان سے

ملنے والی معلومات کے سبب امریکہ کو القاعدہ کے ڈھانچے کے بارے میں پتہ چل سکا جو قبل ازیں امریکی حکام کے لیے نامعلوم تھا۔سی آئی اے کو جو مسودے ملے، جو فون کالیں انہوں نے انٹرسیپٹ کیں، ان کے ساتھ ملکر القاعدہ کے قیدیوں کی معلومات اہم ہو گئیں۔

2003 سے 2004 کے دوران سی آئی اے کے کاؤنٹر ٹیررزم آپریشنز کے نگران رہنے والے رابرٹ ڈینینبرگ بھی مذکورہ بالا تجزیے سے اتفاق کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ان قیدیوں سے کچھ قیمتی معلومات ضرور ملیں،مگر ایسا کوئی بھی اشارہ نہیں ملا کہ فلاں شخص نیویارک میں ٹرین پر حملہ کرنے والا ہے،ان سے ملنے والی معلومات سے القاعدہ لیڈرشپ کے باہمی رشتوں کو سمجھنے میں ضرور مدد ملی،ان لوگوں کے سامنے ہم تصویریں رکھتے تھے اور یہ ہمیں بتاتے تھے کہ یہ فلاں ہے اور یہ فلاں ہے......اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہمیں یہ ساری معلومات جمع کرنے میں سالوں لگ جاتے۔

خالد شیخ محمد اور للیبی سے ملنے والی معلومات اسامہ تک پہنچنے کے لیے کبھی بھی مددگار ثابت نہ ہوئیں۔دوسری طرف جس طرح یہ دونوں القاعدہ لیڈر کویتی کی القاعدہ میں اہمیت کو گھٹا رہے تھے اس سے سی آئی کو شک ہوا کہ ہو نہ ہو یہ بندہ اسامہ تک پہنچنے کے حوالے سے اہم ہے۔مگر کویتی کو ڈھونڈ نکالنا بھی بہرحال آسان نہ تھا۔اس شخص کے متعدد نام تھے، جیسے احمد خان، ارشد خان اور شیخ ابو حامد وغیرہ جبکہ اس کا حقیقی نام ابراہیم سعید احمد تھا جس کے بارے میں اس کے خاندان کے لوگوں کے علاوہ کسی اور کے پاس کوئی معلومات نہ تھیں۔

ابہام میں اضافے کا باعث ایک وجہ یہ بھی بنی کہ کویتی کے بہت زیادہ بھائی تھے، ان میں سے کم از کم ایک نائن الیون کے بعد افغانستان میں مارا گیا تھا۔موریطانیہ کے ایک القاعدہ ممبر جو سی آئی اے کی قید میں تھا اس نے 2006 میں بتایا کہ کویتی تورابورا کی

لڑائی میں مارا گیا تھا۔ اس سے سی آئی اے کو یہ تو تصدیق ہو گئی کہ کویتی القاعدہ کا باقاعدہ ممبر تھا، مگر زندہ ہے یا مردہ اس بارے میں ابھی ان کو شبہات تھے۔

جوں جوں نائن الیون کے واقعے کو بیتے عرصہ گزرتا گیا صدر بش کی اسامہ کو زندہ یا مردہ پکڑنے کی گردان کمزور ہوتی گئی اور آخر میں تو وہ پبلک میں اس کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اگر وہ ذکر بھی کرتا تو یہ کہہ دیتا کہ اسامہ کو کھڈے لائن لگایا جا چکا ہے۔ ویسے بھی بش کے حوالے سے دیکھیں تو اسامہ کی اساطیری پروفائل کا بار بار ذکر کرنا امریکہ کی کمزوری تھا جسے امریکہ ابھی تک نہیں پکڑ سکا تھا۔

مگر نجی سطح پر بش ابھی اسامہ کو نہیں بھولا تھا۔ صدر بش کے دوسرے دور حکومت میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر رہنے والے مائیکل ہیڈن کا کہنا ہے کہ جب بھی میں اوول آفس میں صبح آٹھ بجے پہنچتا صدر بش ایک سوال ہمیشہ کرتے، مائیک کیا پیش رفت ہے؟ اور ہم میں سے کسی ایک کے بھی ذہن میں شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ اسامہ کے حوالے سے یہ سوال کر رہے ہیں، ایک اور اہلکار جو اسامہ کی تلاش میں اہم کردار نبھا رہا تھا اس کا کہنا ہے کہ یہ سوال فوراً ہی ہم تک پہنچا دیا جاتا تھا۔

ہیڈن سی آئی اے کے ڈائریکٹر تھے اور ماضی میں نیشنل سکیورٹی ایجنسی کے روح رواں بھی رہ چکے تھے۔ وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ 2007 میں کہیں سی آئی اے کے کاؤنٹر ٹیررزم اہلکاروں نے اس آپشن پر غور کرنا شروع کیا کہ اگر اسامہ تک پہنچنا ہے تو اس کے پیغام رسانی کے نیٹ ورک کو کھوجنا ہوگا۔ ہیڈن کہتے ہیں کہ میں نے انہیں کہا کہ ''دیکھو اگر تم یہ کرنے جا رہے ہو تو بنیادی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اسامہ کے پیچھے نہیں ہو بلکہ اس کے پیغام رسانی کے نیٹ ورک کو ڈی کوڈ کر رہے ہو، یہ اندھیرے میں تیر لگانے کے جیسا ہے جس میں آپ کی امید یہ واحد امکان ہے کہ اسامہ آپ کو مل جائے''۔ اس حوالے سے ہیڈن نے بش کو بھی آگاہ کیا مگر ایک

چیز جو سی آئی اے کو کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ اب تک القاعدہ کے جتنے بھی قیدیوں سے انہوں نے پوچھ گچھ کی تھی انہوں نے کافی عرصے سے کویتی کو نہیں دیکھا تھا، وہ شخص جس کو بنیاد بنا کر سی آئی اے اسامہ تک پہنچنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔

سی آئی اے کا وہ گروپ جس کی پورے دن کی کارروائیوں کا مرکز اسامہ کی تلاش تھی وہ کبھی بھی دو درجن سے زیادہ نہیں تھا۔ یہ تمام لوگ آسانی سے درمیانی جسامت کے ایک میٹنگ روم میں سما جاتے تھے۔ اس گروپ میں اگرچہ لوگوں کے آنے اور جانے کا سلسلہ جاری رہا مگر زیادہ تعداد وہی رہی جو عشرہ بھر اسامہ کی تلاش کے مشن سے وابستہ رہی۔ جان (فرضی نام) بھی اس گروپ کا حصہ تھا جس نے بطور تجزیہ کار 2003 میں اس گروپ کو جوائن کیا۔ اسے اس تمام عرصے میں پروموشن کی متعدد پیشکشیں ہوئیں مگر اس نے کاؤنٹر ٹیررزم کے اس گروپ کو نہ چھوڑا کیونکہ اس کی تمام تر توجہ اسامہ کو پکڑنے پر تھی۔ جان ہی تھا جس کا اصرار تھا کہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ ڈرون حملے کیے جائیں کیونکہ وہاں بہت سے غیر ملکی دہشت گردی کی تربیت کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ چک (ایک فرضی نام) بھی اس گروپ کا بطور تجزیہ کار حصہ تھا جو 1998 سے القاعدہ پر کام کر رہا تھا جب افریقہ میں القاعدہ نے امریکی سفارت خانوں پر حملے کیے تھے جس میں دوسو کے قریب لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ جب چک نے اس گروپ کو جوائن کیا تھا تو اس کے سر کے تمام بال کالے تھے جو دس سال کی اسامہ کی تلاش کے اس مشن کے دوران سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔

بہت سے لوگ سی آئی اے کو اس ناکامی کا ذمہ دار سمجھتے ہیں کہ اس نے نائن الیون حملوں کے حوالے سے خفیہ معلومات جمع نہیں کی تھیں مگر یہ الزام زیادہ وزنی اس لیے نہیں کہ خفیہ ایجنسیاں بش انتظامیہ کو 2001 کے موسم گرما میں آگاہ کر چکی تھیں کہ امریکہ پر کوئی بڑا دہشت گرد حملہ ہو سکتا ہے۔ اس بات کا اظہار ان مختلف رپورٹوں سے

ہوتا ہے جو بش انتظامیہ کو جمع کرائی جاتی رہیں۔ مثال کے طور پر:

بیس اپریل کی رپورٹ میں لکھا گیا تھا: ''بن لادن مختلف آپریشنز کی منصوبہ بندی کر رہا ہے''

تین مئی کی رپورٹ میں درج تھا: ''بن لادن حملوں کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے''

چھبیس مئی کی رپورٹ بتاتی ہے: ''بن لادن کے منصوبوں میں پیش رفت ہو رہی ہے''

تئیس جون کی رپورٹ میں بتایا گیا تھا ''بن لادن جلد ہی حملہ آور ہو سکتا ہے''

تمیں جون کی رپورٹ میں تھا: ''بن لادن کی طرف سے حملوں کا خطرہ حقیقی ہے۔''

اسی طرح جولائی اور اگست کے ماہ کی رپورٹوں میں بھی کہا گیا تھا کہ اسامہ بن لادن کی طرف سے حملوں میں تاخیر ہو رہی ہے مگر ان کی طرف سے مسلسل منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ اگرچہ سی آئی اے حملوں کے وقت اور جگہ کا تعین نہ کر سکی مگر دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اس طرح کی حتمی معلومات عملی زندگی کی بجائے صرف فلموں میں ہوتی ہے۔ اگر اس سلسلے میں کسی کی غلطی تھی تو وہ بش انتظامیہ کے سکیورٹی اہلکاروں کی غلطی تھی۔

لیکن اگر بالفرض سی آئی اے کی غلطی تھی بھی تو یہ بھی بیوروکریٹک سطح کی غلطی تھی، اگرچہ یہ حقیقت نائن الیون حملوں کے بعد ہی سامنے آ سکی تھی۔ ایجنسی کے ارکان نواف الحزمی اور خالد المہدار جیسے القاعدہ کے دہشت گردوں پر نظر نہ رکھ سکے جن کو سی آئی اے ملائشیا میں 5 جنوری 2000 میں ہونے والی ملیشین ٹیررسمٹ کے وقت سے ٹریک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی غلطی تھی کہ وہ ان دو مشکوک القاعدہ ارکان پر نظر نہ رکھ سکے اور یہ لوگ اپنے حقیقی ناموں کے ساتھ امریکہ داخل ہو گئے۔ ملیشین ٹیررسمٹ کے دس روز بعد یعنی 15 جنوری 2000 کو حزمی اور المہدار لاس اینجلس پہنچ گئے تھے۔ ایجنسی ایف بی آئی کو بھی ان دہشت گردوں کے مشتبہ کردار سے

آگاہ نہ کرسکی، اگر ایسا ہوتا تو جب یہ لوگ امریکہ میں داخل ہوئے تھے ایف بی آئی ان پر نظر رکھ سکتی تھی۔ سی آئی اے کے انسپکٹر جنرل کی تفتیش، جو 2007 میں شائع ہوئی تھی، اس میں بتایا گیا ہے کہ ان دو لوگوں کا امریکہ میں داخل ہونا صرف چند سی آئی اے اہلکاروں کی غفلت نہیں تھی بلکہ ایجنسی اہلکاروں کی اکثریت اس غلطی کا مرتکب ہوئی کیونکہ ان دونوں سے متعلق کیبلز کو سی آئی اے کے پچاس سے ساٹھ لوگوں نے پڑھا تھا مگر کوئی اقدام نہیں اٹھایا گیا۔ ان میں سے کچھ افسران تو ایسے بھی تھے جو یہ جانتے تھے کہ القاعدہ کے مشتبہ افراد میں سے ایک نے امریکہ کا ویزہ لگوایا ہے جبکہ مارچ 2001 میں ایجنسی کا ایک ایسا اہلکار بھی تھا جسے یہ معلوم تھا کہ القاعدہ کا ایک دہشت گرد لاس اینجلس پہنچ چکا ہے۔

جلد ہی یہ مستقبل کے ہائی جیکر کیلیفورنیا پہنچ گئے جہاں انہوں نے اپنی حقیقی ناموں کے ساتھ اپارٹمنٹ، ڈرائیونگ لائسنس لیے، بنک اکاؤنٹ کھلوائے، کار خریدی، اور مقامی سکول میں جہاز اڑانے کی تربیت لیتے رہے۔ المہدار نے تو اپنا نام تک مقامی ٹیلی فون ڈائریکٹری میں درج کرایا۔ 24 اگست 2001 کو کہیں جا کر سی آئی اے کے ایک افسر کی طرف سے سوال اٹھائے جانے پر ان دو القاعدہ ارکان پر کام شروع ہوا اور وہ بھی فقط اتنا کہ ایف بی آئی نے المہدار کو روٹین کی تفتیش کے حوالے سے ایک نوٹس روانہ کیے۔ ایک ماہ بعد یہی دو افراد حزمی اور المہدار تھے جنہوں نے امریکی ائیر لائن کا طیارہ 77 اغوا کیا اور پینٹا گان سے ٹکرا دیا جس میں 189 لوگ ہلاک ہوئے۔

سی آئی اے انسپکٹر جنرل کی رپورٹ میں نتیجہ نکالتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اگر سی آئی اے اور ایف بی آئی اے ان دونوں کی نگرانی کا موثر اہتمام کرتے تو انہیں آسانی سے ان کی پروازوں کی ٹریننگ، ان کی مالیات اور دیگر حملہ آوروں سے ان کے لنکس کا پتہ لگ جاتا۔ سی آئی اے کے وہ لوگ جو القاعدہ کے ان مشتبہ افراد کے بارے میں جان

کاری رکھتے تھے اور جنہوں نے اس حوالے سے غفلت برتی ان کے نام اس رپورٹ میں خفیہ رکھے گئے اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی انضباطی کارروائی عمل میں لائی گئی، بلکہ ان میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے جو اسامہ کی تلاش کے سی آئی اے کے ادارے کاؤنٹر ٹیررزم کے رکن رہے۔ ان لوگوں کو اس بات کی خبر تھی کی ان کی معلومات نائن الیون حادثے اور ہزاروں لوگوں کی جان بچا سکتی تھی، اس لیے اسامہ کی تلاش جو ان حملوں کا ذمہ دار تھا ان کے لیے نہایت اہم تھی۔

7۔اوبامہ محاذ جنگ پر

11 ستمبر 2001 کی صبح الینوائے کے سینیٹر باراک اوبامہ ایک مقدمے کی شنوائی کے سلسلے میں شکاگو میں ڈرائیو کر رہے تھے جب انہوں نے ریڈیو پر سنا کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جہاز ٹکرا گیا ہے۔ جب تک وہ عدالت پہنچے دوسرا طیارہ بھی جڑواں ٹاورز سے ٹکرا چکا تھا۔ اوبامہ یاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ''ہمیں کہا گیا کہ ہم عمارت خالی کر دیں'' اوبامہ بتاتے ہیں کہ جب ہم باہر نکلے تو لوگ پریشانی کے عالم میں آسمان کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں شکاگو کی شان سیرز ٹاور بھی ممکنہ ٹارگٹ نہ ہو۔ چھ سال بعد یہی اوبامہ امریکہ کے صدارتی انتخابات کے امیدوار کے طور پر میدان میں تھے۔ اوبامہ کی انتخابی مہم کے عروج کے زمانے میں 17 جولائی 2007 کو امریکہ کا قومی تخمینہ نامی رپورٹ منظر عام پر آئی جو القاعدہ کی موجود صورت حال سے متعلق تھی، اس تخمینے میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں فاٹا میں نہ صرف انہیں محفوظ پناہ گاہ مل چکی ہے بلکہ ان کے فعال اور چوٹی کے قائد بھی زندہ ہیں۔ اصل خبر یہ نہیں تھی بلکہ حقیقی خبر یہ تھی کہ 2005 میں القاعدہ نے برطانیہ کی تاریخ کے خونی دہشت گرد ترین حملے کیے جس میں 52 ایسے مسافر مارے گئے جو لندن ٹرانسپورٹیشن سسٹم سے سفر کر رہے تھے، اس کے بعد اگلے موسم گرما میں امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کی ایئر لائنز کے سات جہازوں کو مائع

بموں سے اڑانے کا خوفناک منصوبہ ہیتھر وا ییئر پورٹ لندن میں پکڑا گیا، دہشت گرد وہاں سے یہ دھماکہ خیز مواد سمگل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس امریکی قومی تخمینے کے مطابق القاعدہ ایک بار پھر منظم ہو رہی تھی، تخمینے میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ پاکستان کے فوجی حکمران پرویز مشرف کو پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود دہشت گردوں سے نمٹنے کے حوالے سے فری پاس نہیں دیا جانا چاہیے۔

اس تخمینے کے جاری کیے جانے کے چند ہفتوں بعد واشنگٹن کے ووڈ رو ولسن سنٹر میں اوبامہ کو نیشنل سکیورٹی کے حوالے سے اپنی ترجیحات پیش کرنا تھیں جس سے قبل وہ اپنے فارن پالیسی ایڈوائزرز سوسن رائس، ڈینس میکڈونو اور سپیچ رائٹر بن روڈز سے میسا چوسٹس کے دو کمروں کے ایک سادہ آفس میں ملے۔ یہاں اس تقریر کے بنیادی نکات پر بات ہوئی جو بش انتظامیہ کی تنقید اور مستقبل کی امریکی قومی سلامتی پالیسی کے حوالے سے تیار کی گئی تھی۔ اس تقریر میں بش انتظامیہ پر جو تنقید کی گئی اس کے بنیادی نکات یہ تھے کہ عراق کی جنگ میں بے تحاشا وسائل کو جھونک دیا گیا ہے اور القاعدہ سے نظریں ہٹالی گئی ہیں، اور یہ کہ پاکستان میں القاعدہ کی جو تنظیم نو ہوئی اس حوالے سے بش انتظامیہ نے سستی کا مظاہرہ کیا۔ اس تقریر میں مشرف کے حوالے سے بھی سخت موقف اختیار کیا گیا تھا کیونکہ اوبامہ کے نزدیک بش انتظامیہ نے مشرف کے حوالے سے بہت نرم پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔

ووڈ رو ولسن سنٹر کی اس تقریر نے میڈیا کی توجہ باقی صدارتی امیدواروں سے زیادہ اوبامہ کی طرف مرکوز کر دی کیونکہ اس تقریر میں انہوں نے پاکستان میں جڑ پکڑتی القاعدہ اور پاکستانی حکومت کے خلاف واضح اور ٹھوس اقدامات کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اگر امریکہ کے دشمن پاکستان میں موجود ہیں اور مشرف ان کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے تو مجھے اس بات میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوگی کہ پاکستان میں دہشت

گردوں کے ٹھکانوں پر براہ راست حملے کیے جائیں۔

ولسن سنٹر کی تقریر کے ایک ہفتے بعد شکاگو میں صدارت کے حریف امیدوار سے مباحثے میں اوبامہ پر سینیٹر ڈاڈ کی طرف سے شدید تنقید کی گئی اور پاکستان پر براہ راست حملوں کے بیان کو غیر ذمہ دارانہ حرکت قرار دیا گیا۔ اس کے بعد اس حوالے سے ہیلری کلنٹن نے بھی شدید تنقید کی۔ مگر اوبامہ نے ان دونوں کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں کا مجھ پر تنقید کرنا جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے حقیقی اہداف کا ہی کھوج نہیں لگا سکے، باعث حیرت ہے۔

اوبامہ کی پاکستان سے متعلق اپنی پالیسی کے اعلان کے بعد صرف ڈیموکریٹس کی طرف سے ہی تنقید سامنے نہ آئی بلکہ ریپلکن صدارتی امیدوار میٹ رومنی نے بھی طنزیہ انداز میں کہ کہا کہ ہمارے 'ڈاکٹر سٹرینج لو' اب ہمارے اتحادیوں پر بم برسائیں گے۔ جان مکین نے بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے غیر تجربہ کار صدارتی امیدوار ہمارے اتحادی ملک پاکستان پر حملے کی تجویز دے رہے ہیں۔ اگست 2008 میں ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے اوبامہ نے تند انداز میں کہا کہ جان مکین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بن لادن کا پیچھا جہنم کے دروازے تک کریں گے، مگر وہ ابھی تک اس غار تک نہیں پہنچ سکے ہیں جس میں اسامہ زندہ چھپا ہوا ہے۔

اوبامہ الیکشن جیت گئے تو اب انہیں آپشنز میں سے انتخاب کرنا تھا۔ ان کو زیادہ ووٹ عراق جنگ کی مخالفت کے ملے تھے۔ صدارتی دفتر میں پہنچنے کے بعد اوبامہ بش کی 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' پر نظر ثانی کر سکتا تھا اور جہادی دہشت گردوں کے خلاف وسیع پیمانے کی جنگ چھیڑ سکتا تھا مگر اس راستے کا انتخاب نہ کیا گیا۔ بلکہ اوبامہ نے اعلان کیا کہ ان کی جنگ القاعدہ اور ان کے اتحادیوں سے ہے۔ اوبامہ نے جوں ہی عہدہ صدارت سنبھالا اس کے تین دن بعد ہی نیشنل سکیورٹی کونسل کے اجلاس میں

23 جنوری 2009 کو سی آئی اے کے ہیڈ مائیکل جے سلک نے تجویز پیش کی کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں میں تیزی لائی جائے۔ اوبامہ نے اس تجویز کی منظوری دے دی۔ ٹھیک اسی دن شمالی اور جنوبی وزیرستان میں دو ڈرون حملے ہوئے جس میں دس شدت پسند اور درجن بھر بے گناہ لوگ مارے گئے۔

9 دسمبر 2009 کو اسامہ نوبل امن انعام وصول کرنے ناروے گئے۔ اس کے ایک ہفتے بعد طالبان کی افغانستان میں تعمیر نو کے خاتمے کے لیے افغانستان میں مغربی افواج کو دگنا کر دیا گیا۔ اوبامہ کے دور حکومت کے مختصر ترین وقت میں اوبامہ انتظامیہ نے پاکستان مین 45 ڈرون حملوں کی منظوری دی جس کے نتیجے میں القاعدہ اور طالبان کی آدھا درجن قیادت کا خاتمہ کر دیا گیا جس میں القاعدہ کے ازبک لیڈر اور پاکستانی طالبان کے لیڈر بیت اللہ محسود بھی شامل تھے۔

نوبل انعام کی وصولی کے موقع پر اپنی تقریر میں اوبامہ نے کہا کہ وہ عراقی جنگ کے مخالف ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت پسند نہیں ہے، جہاں کہیں امریکیوں کی زندگیوں کو خطرات ہوں گے وہ اس کے خلاف لڑیں گے۔ اس موقع پر انہوں نے عدم تشدد کے فلسفے کی حمایت کی اور گاندھی اور مارٹن لوتھر کنگ جونیر کے حوالے سے اقتباسات بھی پیش کیے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ عدم تشدد کی کوششیں جو ہٹلر کے حوالے سے روا رکھی گئیں وہ بے نتیجہ رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یقیناً القاعدہ کے دہشت گرد مذاکرات کے ذریعے اپنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ اس لیے ایسے عناصر کے خلاف کارروائی ضرور ہوگی۔

ابامہ یہ بات تو سمجھتے تھے کہ القاعدہ کے خطرے کو بش انتظامیہ نے بڑھا چڑھا کر نازی خطرے کے ہم پلہ خطرے کے طور پر پیش کیا تھا مگر وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ القاعدہ کا خطرہ محض سراب نہیں تھا۔ نوبل امن انعام کی تقریر کے ایک سال بعد کی گئی

تقریر میں انہوں نے سرعام تسلیم کیا کہ دہشت گردوں کی طرف سے خطرات حقیقی ہیں۔ اوبامہ نے ابھی صدارت کے عہدے کا حلف بھی نہیں اٹھایا تھا جب خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے انہیں 2008 نومبر میں ممبئی

میں ہوئے دہشت گردانہ حملوں کی بابت بریفنگ دی گئی جس میں امریکی یہودیوں سمیت 170 افراد ہلاک ہوئے تھے۔

20 جنوری 2009 کے دن اوبامہ کو عہدہ صدارت کا حلف اٹھانا تھا، اس موقع پر خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے انہیں کہا گیا کہ صومالی دہشت گرد تنظیم الشباب کی طرف سے حملوں کا شدید خطرہ موجود ہے۔ خفیہ رپورٹوں کے مطابق الشباب کے دہشت گرد کینیڈا سے امریکہ میں داخل ہو چکے تھے اور ان کا ہدف واشنگٹن کا ایک تجارتی مرکز تھا جہاں لاکھوں لوگوں کو اسامہ کی تقریب حلف برداری دیکھنے کے لیے جمع ہونا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے تقریب حلف برداری پرامن طور پر گزر گئی۔ مگر شروع دن سے ابامہ اور اس کی نوجوان سکیورٹی انتظامیہ کو ایک بات سمجھ آ گئی کی ان کا اہم مسئلہ دہشت گردی ہی رہے گا۔

القاعدہ کو تباہ کرنے اور شکست دینے کے حوالے سے اوبامہ کا عزم واضح تھا۔ اور اس کے لیے اسامہ کا پکڑا جانا انتہائی ضروری تھا۔ عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد فوراً ہی اوبامہ نے سی آئی اے کے چیف لیان پینیٹا سے پوچھا کہ اسامہ کی تلاش کا کام کیسا جارہا ہے؟ کیا یہ کام سرد خانے کی نظر تو نہیں ہوگیا؟ جس پر پینیٹا نے جواب دیا کہ کام تو جاری ہے مگر اس سلسلے میں ہمیں زیادہ کامیابی نہیں مل سکی ہے۔ اوبامہ نے کہا کہ آپ اپنی کوششیں دگنی کردیں۔ اوبامہ کے فوجی عہدیداروں نے پینیٹا سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں اسامہ کہاں ہوسکتا ہے؟ اس پر پینیٹا نے جواب دیا کہ اس کا کوئی اشارہ تو نہیں ملا مگر میرا خیال ہے کہ وہ پاکستان میں کہیں ہے۔

مئی 2009 میں اوبامہ کو معمول کی کاؤنٹر ٹیررزم میٹنگ میں اسامہ اور اس کے نائب ظواہری کی گرفتاری کے حوالے سے بریفنگ دی گئی۔ میٹنگ کے بعد اوبامہ نے پینیٹا اور نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر ٹام ڈونیلن سے کہا کہ وہ اسے اوول آفس میں ملیں۔ اس موقع پر اوبامہ نے انہیں کہا:

''اسامہ کو پکڑنے کے لیے ہمیں اپنی کوششوں کو تیز کرنا ہوگا۔ یہ آپ لوگوں کا ہدف نمبر ایک ہے۔'' 2 جون کو اوبامہ نے پینیٹا کے ساتھ ایک میمو پر دستخط کیے جس میں درج تھا کہ تیس دن کے اندر آپ لوگ میرے سامنے وہ عملی منصوبہ لیکر آئیں جس کے ذریعے اسامہ کو پکڑا جا سکتا ہے۔

اس موقع پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پانچ سینئر اہلکاروں کا کہنا تھا کہ یہ آئیڈیا کہ سی آئی اے اسامہ کو پکڑنے کے لیے اپنی کوششیں تیز کرے اس لحاظ سے مضحکہ خیز تھا کہ سی آئی اے پہلے ہی اپنی بھرپور توانائی اس مشن پر خرچ کر رہی تھی۔

سی آئی اے کو ایک اہم کھوج اسامہ کے ایک بیٹے سعد بن لادن کے شکل میں ملی جو گذشتہ ایک دہائی سے ایران میں نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ سعد بیس کی دہائی میں تھا اور پہلے سے ہی القاعدہ میں اہم قائدانہ کردار نبھانا شروع ہو چکا تھا۔ جب اوبامہ نے اقتدار سنبھالا تو سعد ایران سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں پہنچ چکا تھا۔ سی آئی اے نے سعد کا پیچھا کرنا شروع کیا تا کہ وہ انہیں اپنے باپ تک پہنچا سکے۔ مگر سی آئی اے کی بدقسمتی کہ سعد امریکی ڈرون حملے میں مارا گیا۔

ٹھیک انہی دنوں القاعدہ کی لیڈرشپ میں گھسنے کے حوالے سے سب سے بڑی کامیابی پینیٹا کے سامنے لائی گئی۔ یہ ایک اردن سے تعلق رکھنے والا شخص تھا جو پاکستان میں دہشت گرد گروہ کی جاسوسی پر تیار تھا۔ یہ ایک دلچسپ صورت حال تھی کیونکہ نائن الیون سے لیکر اس وقت تک لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کے باوجود سی آئی اے کو القاعدہ

میں کوئی مخبر نہ مل سکا تھا۔ حمام البلاوی عراق جنگ کے دوران شدت پسند نظریات کا حامی بنا تھا اور جہادی ویب سائٹس پر ایک نمایاں آواز کے طور پر جانا جاتا تھا۔ بلاوی 2009 میں گرفتار ہوا تھا اور اردن کی خفیہ ایجنسی نے اسے سی آئی اے کی مدد سے پکڑا تھا۔ اردن کی خفیہ ایجنسی نے بلاوی کو زیادہ دولت کمانے کا لالچ دیا اور وہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں طالبان اور القاعدہ کی جاسوسی کرنے پر تیار ہو گیا۔ بلاوی نے جلد ہی دکھا دیا کہ وہ کام کا آدمی ہے اس نے اردن کی خفیہ ایجنسی کو جس کے سی آئی اے سے گہرے روابط تھے ایک چھوٹی سی ویڈیو کلپ بھیجی جس میں وہ اسامہ کے قریبی ساتھ عطیہ عبدالرحمٰن کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اب سی آئی اے کو لگا کہ اردن کا یہ ڈاکٹر البلاوی ان کے لیے سنہری ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ بلاوی نے اپنے ہینڈلر کو بتایا کہ چونکہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اس لیے اس کا تعارف القاعدہ کی لیڈر شپ سے ہو سکتا ہے بشمول ایمن الظواہری کے جس کا وہ معالج رہا ہے۔ سی آئی اے کو البلاوی سے اتنی توقعات وابستہ ہو گئیں کہ نومبر 2009 میں انہوں نے صدر اوبامہ کو بتایا کہ البلاوی ہمیں الظواہری تک پہنچا سکتا ہے۔

القاعدہ کو بے دست و پا کرنے کی اہمیت اس وقت امریکہ کو زیادہ محسوس ہوئی جب ستمبر 2009 میں نجیب اللہ زازی مین ہٹن کے سب وے سسٹم کو اڑانے کے مشن پر ڈینور سے نیویارک پہنچا۔ زازی ایک افغان امریکی تھا جس کی تربیت پاکستان میں القاعدہ نے کی تھی، اس نے جن حملوں کی منصوبہ بندی کی تھی وہ امریکی تاریخ میں نائن الیون کے بعد شدید ترین حملے ہوتے۔ زازی کو کریم بلیچ جیسی بے ضرر چیز سے یہ دھماکے کرنا تھے۔ گیارہ ستمبر 2009 کو ٹھیک نائن الیون کی برسی کے دن ایف بی آئی نے زازی کو گرفتار کر لیا۔ زازی وہ پہلا اہم ترین ٹارگٹ تھا جو القاعدہ کا باقاعدہ ریکروٹ تھا اور امریکہ میں رہ رہا تھا۔ زازی کے لیپ ٹاپ سے ایف بی آئی کو بم

بنانے کی وہ ترکیبیں بھی ملیں جن کے حوالے سے وہ 2008 میں پاکستان کے قبائلی علاقوں سے تربیت لے چکا تھا۔

2009 میں کرسمس کے دن زازی سے بھی بڑا خطرہ اس وقت سامنے آیا جب نائیجیریا کے ایک معروف خاندان سے تعلق رکھنے والے عمر فاروق عبدلمطلب نے ایمسٹرڈیم سے ڈیٹریاٹ جانے والی پرواز کو جس میں 300 مسافر اور عملے کے ارکان تھے اڑانے کی کوشش کی۔ اس کے زیر جامے میں پلاسٹک سے بنا بم تھا جس کا پتہ ائیر پورٹ سیکورٹی کو نہ لگ سکا۔ جب یہ پرواز ڈیٹریاٹ کے قریب پہنچی تو 23 سالہ عمر فاروق نے بم پھوڑنے کی کوشش کی مگر بم میں کسی خرابی اور مسافروں کے تیز ردعمل کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ لوگوں نے اسے دبوچ لیا ورنہ جہاز کو آسانی سے گرایا جا سکتا تھا۔ عمر فاروق نے گرفتاری کے بعد تفتیش کاروں کو بتایا کہ اس نے دھماکہ خیز مواد یمن سے خریدا تھا اور اسے بتایا گیا تھا کہ کس دن یہ بم پھوڑنا ہے۔

اگر عمر نارتھ ویسٹ کی فلائٹ 253 کو گرانے میں کامیاب ہو جاتا تو نہ صرف سینکڑوں لوگ ہلاک ہوتے بلکہ اس سے امریکی معیشت بھی شدید متاثر ہوتی جو ان دنوں عالمی معاشی دباؤ کا سامنا کر رہی تھی۔ اس حملے سے اوبامہ کی صدارت کے عہدے کو بھی شدید نقصان پہنچتا۔ کرسمس دن کے اس منصوبے کے بعد سی آئی اے کی نظر میں اردنی ڈاکٹر کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ دوسری طرف یہ پریشان کن امر تھا کہ البلاوی پر سی آئی اے کی نظر نہیں تھی اور دباؤ بڑھ رہا تھا کہ سی آئی اے اس پر نظر رکھے۔ البلاوی پر نظر رکھنے کا کام افغانستان کے علاقے میں متعین سی آئی اے کی اہلکار جینیفر میتھیوز کو سونپا گیا جو اسامہ پر شروع دن سے کام کر رہی تھی۔ میتھیوز نے البلاوی سے کہا کہ وہ پاکستان کا بارڈر کراس کر کے افغانستان میں اس سے اور سی آئی اے کی ٹیم سے ملے۔ اپنے اس سنہری ذریعے کو خوش آمدید کہنے کے لیے میتھیوز نے ایک کیک کا

بھی بندوبست کیا تھا کیونکہ پانچ دن پہلے ہی البلاوی کا برتھ ڈے تھا۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا کیونکہ جب البلاوی میتھیوز سے ملنے میٹنگ کی جگہ پہنچا تو اس نے خود کو بم سے اڑا دیا جس سے میتھیوز، چھ سی آئی اے اہلکاروں اور کنٹریکٹرز کی ہلاکت ہوگئی۔ سی آئی اے کے لیے یہ 1983 کے میں بیروت میں امریکی سفارت خانے پر ہونے والے حملے کے بعد خونی ترین حملہ تھا جس میں آٹھ سی آئی اے اہلکار ہلاک ہوئے تھے۔ اردنی ڈاکٹر القاعدہ کی مخبری نہیں کر رہا تھا بلکہ القاعدہ کے لیے کام کر رہا تھا۔

جان برینن جنہوں نے سی آئی اے میں طویل عرصے تک خدمات دی تھیں اور اب اوبامہ کی کاؤنٹر ٹیررزم مہم کے ایڈوائزر تھے کا کہنا ہے کہ خوست حملے کے بعد سی آئی اے کا عزم راسخ ہوگیا کہ القاعدہ کی اعلی قیادت کا خاتمہ کرنا ہے۔ خوست خودکش حملے کے تین ہفتے بعد سی آئی اے نے پہلی بار مسلسل گیارہ ڈرون حملے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں کیے جس میں ساٹھ کے قریب طالبان اور القاعدہ کے شدت پسند مارے گئے۔

اس کے ایک ہی ہفتے بعد القاعدہ کی یمنی شاخ نے متحدہ عرب امارات کی طرف جانے والی امریکی کمرشل جیٹ کی پرواز کو دھماکے سے اڑا دیا اور پاکستان میں موجود القاعدہ کی مرکزی قیادت نے سات سی آئی اے اہلکاروں کو ہلاک کر دیا۔ یہ سی آئی اے کے اہلکاروں کے لیے ایک تلخ یاددہانی تھی کہ اسامہ کو مارنا کتنا ضروری ہے۔

اس کے بعد پنیٹا کی قیادت میں سی آئی اے نے پاکستان میں سی آئی اے کے مزید اہلکاروں کی موجودگی کی اہمیت پر زور دینا شروع کر دیا۔ عراق کی جنگ خاتمے کی طرف تھی جس کا مطلب تھا کہ وہاں سے فری ہونے والے سورسز القاعدہ کے خلاف استعمال کیے جا سکتے تھے۔ نومبر 2008 میں ہونے والے ممبئی حملے جو پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک اور عسکریت پسند گروپ لشکر طیبہ نے کیے تھا، نے امریکہ پر یہ واضح

کر دیا کہ پاکستان میں صرف القاعدہ ہی نہیں بلکہ دیگر متعدد دہشت گرد گروہ کام کر رہے ہیں جو امریکی اہداف کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں پاکستان کے امور سے متعلق صلاح کار ولی نصر بتاتے ہیں: ''سی آئی اے کا موڈ اب بالکل مختلف ہو چکا تھا، پاکستان اب ان کے لیے ساٹھ کی دہائی کا برلن بن چکا تھا، جہاں انہیں اپنے اثاثے، آنکھ اور کان چاہیے تھے، کسی خاص منصوبے کے لیے نہیں بلکہ وسیع البنیاد حوالوں سے، کیونکہ امریکہ کو درپیش خطرات یہیں سے آنے والے تھے۔''

دوسری طرف پاکستان کے سرکردہ سیاسی رہنما امریکی اہلکاروں کو بتا رہے تھے کہ اسامہ پاکستان میں نہیں ہے۔ اپریل 2010 میں سی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے پاکستانی وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے کہا کہ یقیناً اسامہ پاکستان میں نہیں ہے، اس سے چھ ماہ قبل پاکستانی وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے امریکی سفیروں کے ایک وفد سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اسامہ ان کے علاقے میں نہیں ہے، وہ ایران، یمن اور سعودی عرب میں بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ ہی نہ ہو۔

پاکستان کی طرف سے ان تردیدوں کے باوجود یکم مئی 2010 کے واقعے نے سی آئی اے کے پاکستان میں زیادہ اثاثے بنانے کا عزم راسخ کر دیا، اس دن پاکستانی نژاد امریکی فیصل شہزاد نے نیویارک کی مصروف تجارت گاہ ٹائم سکوائر میں بم دھماکہ کرنے کی کوشش کی۔ فیصل شہزاد کی تربیت وزیرستان میں طالبان نے کی تھی۔ مئی کے آخری دنوں میں پینیٹا پاکستان کی سول اور فوجی قیادت کے لیے سخت پیغام لے کر پاکستان آئے اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ اب پاکستان سے تعلق رکھنے والوں کے امریکہ میں حملے برداشت نہیں کیے جائیں گے۔ صدر پاکستان آصف علی زرداری نے بھی اسی لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا، یہ شخص فیصل شہزاد امریکی شہری ہے، آپ اپنے ملک

کے لوگوں کو قابو کیوں نہیں کر رہے۔

اس کے بعد اوبامہ نے نہ صرف پاکستان میں سی آئی اے کے اثاثوں میں اضافے اور زیادہ ڈرون حملے کرنے کے مسودے پر دستخط کر دیے بلکہ وہ ملک جہاں امریکہ زمینی جنگ نہیں لڑ رہا تھا جیسے لیبیا، پاکستان، صومالیہ اور یمن وہاں امریکی فوجیوں کو خفیہ آپریشنز کرنے کی اجازت بھی دے دی۔2011 تک ان لوگوں پر مایوسی چھا چکی تھی جو یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے جنگ مخالف صدر کو منتخب کیا ہے کیونکہ امریکہ پورے مسلم ملکوں میں بیک وقت جنگ پر جا رہا تھا۔

8۔ تلاش کی نوعیت

2010 میں کہیں جا کر اسامہ کے اہم ترین پیغام رساں کویتی کے حوالے سے سی آئی اے کو کچھ کامیابیاں ملیں۔ ایک 'تیسرے ملک' کی مدد سے کویتی کے حقیقی نام ابراہیم سعید احمد کا پتہ چلا، اگرچہ اس کے محل وقوع کے حوالے سے ابھی تک کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔

کویتی اور اس کا بھائی ٹیلی فون کے ذریعے سے دوسرے لوگوں سے رابطے کے سلسلے میں بہت احتیاط کیا کرتے تھے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ موبائل فون سے ان لوکیشن معلوم کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ بھی طے تھا کہ بہر حال انہوں نے دنیا سے رابطے کے لیے موبائل فون کا استعمال کرنا تو ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر سی آئی اے نے کویتی کے خاندان اور اس کے ساتھیوں کے فون مانیٹر کرنے کا فیصلہ کیا۔ آخر کار موسم گرما میں کویتی کو خلیج کے ایک پرانے دوست کا فون آیا جو سی آئی اے کی نظر میں تھا، فون پر پوچھا گیا کہ تم کہاں ہو، ہم لوگوں کو تمھاری بہت یاد آتی ہے۔ کویتی کی طرف سے جواب دیا گیا کہ میں انہی لوگوں کے ساتھ ہوں جن کے ساتھ میں پہلے تھا۔ کالر کو شاید احساس ہو گیا کہ کویتی ایک بار پھر اسامہ کے ساتھ ہے اس لیے گفتگو میں ایک چھوٹا سا وقفہ آیا اور پھر دوسری طرف سے کہا گیا کہ خدا تمھاری راہ آسان کرے۔

اس فون کال سے سی آئی اے کو اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ کویتی ایک بار پھر

القاعدہ سے جڑ چکا ہے۔ نیشنل سکیورٹی ایجنسی یہ فون کال سن رہی تھی اور جیولوکیشن کے ذریعے یہ پتہ چلا چکی تھی کہ کویتی شمال مغربی پاکستان میں ہے۔ مگر یہ فون کال اس لیے ناکافی تھی کہ کویتی اس حوالے سے بہت محتاط تھا اور وہ اپنے فون سیٹ میں اس وقت بیٹری ڈالتا تھا جب وہ ایبٹ آباد یعنی اسامہ کی رہائش سے کم از کم 100 کلومیٹر کی دوری پر ہوتا تھا اور پھر 18 کروڑ کی آبادی کے ملک پاکستان سے ایک شخص کو ڈھونڈنا بہرحال آسان نہ تھا۔

اگست 2010 میں سی آئی اے کے لیے کام کرنے والے ایک مخبر نے کویتی کا پتہ چلا لیا۔ وہ پشاور میں تھا جہاں اسامہ نے دو دہائیاں قبل القاعدہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس عرصے میں اسامہ ایبٹ آباد مقیم رہا کویتی اکثر پشاور جاتا تھا جو قبائلی علاقوں میں داخلے کا دروازہ تھا جہاں القاعدہ خود کو دوبارہ مجتمع کر رہی تھی۔ مخبر نے کویتی کی سفید جیپ کا پیچھا کرنا شروع کیا جو ایبٹ آباد کی طرف جا رہی تھی جو پشاور سے دو سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جب وہ گاڑی بڑے سے کمپاؤنڈ میں پہنچی تو سی آئی اے کی دلچسپی اس عمارت میں بڑھ گئی کیونکہ اس میں نہ تو ٹیلی فون تھا اور نہ ہی انٹرنیٹ، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس گھر کے مکین اپنی شناخت چھپا رہے تھے۔

سی آئی اے میں کسی کو اس بات پر شک بھی نہیں تھا کہ پیغام رساں خود اسامہ کے ساتھ رہ رہا ہوگا۔ ایجنسی کا خیال تھا کہ وہ پیغام رساں کی مزید نگرانی کریں گے جو انہیں اسامہ تک پہنچائے گا۔ ایجنسی کی ایک اہلکار نے اس کمپاؤنڈ کو دیکھ کر کہا ''او مائی گاڈ، القاعدہ میں کون ایسا ہوگا جو اس طرح کی عمارت بنانے کے لیے اتنی رقم خرچ کرے گا؟'' اس اہلکار کا خیال تھا کہ اس عمارت پر لاکھوں ڈالر خرچ ہوئے ہیں اور یہ اتنا خرچ تھا جتنا نائن الیون حملوں پر ہوا ہوگا۔

اگست 2010 کے آخر میں سی آئی اے کے کاؤنٹر ٹیررزم سنٹر نے پینیٹا کو بریفنگ

دیتے ہوئے بتایا کہ ہمیں بن لادن کے حوالے سے ایک اشارہ ملا ہے ''ہم ان پیغام رسانوں کا کھوج لگا رہے تھے، جن کے القاعدہ کے ساتھ تاریخی روابط ہیں، اور ان میں سے ایک کا پیچھا کرتے ہوئے ہم ایک قلعہ نما گھر تک پہنچے ہیں۔'' اس پر پینیٹا نے کہا ''قلعہ نما گھر؟ مجھے اس گھر کے بارے میں مزید بتاؤ'' اس کے بعد سنٹر کے اہلکاروں کی طرف سے بتایا گیا کہ اس گھر کے گرد بارہ فٹ اونچی چار دیواری ہے جبکہ ایک حصے کے گرد تو اٹھارہ فٹ اونچی دیوار ہے جبکہ گھر کی چھت پر سات فٹ اونچا پردہ ہے۔ پینیٹا کو یہ بھی بتایا گیا کہ اس گھر کے مکین اپنا کوڑا کرکٹ بھی خود جلاتے ہیں۔

یہ سن کر پینیٹا نے کہا کہ مجھے یہ معلومات حیرت انگیز اور پراسرار لگ رہی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس گھر کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں وہ جمع کی جائیں۔

پینیٹا نے اس کمپاؤنڈ کے بارے میں صدر اوبامہ اور اس کے چیدہ چیدہ سکیورٹی ایڈوائزرز کو بھی بتاتے ہوئے کہا: ''ہمارے پاس اب اسامہ کا ایک پیغام رساں ہے جس کی لوکیشن کے بارے میں بھی ہم آگاہ ہیں کہ وہ ایبٹ آباد کے ایک رہائشی کمپاؤنڈ میں رہتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسامہ وہاں موجود ہو'' پینیٹا نے بعد میں اس گھر کی سیٹلائٹ تصویریں بھی انہیں دکھائیں، اوبامہ نے بعد میں اس دن کی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پینیٹا کی باتیں سن کر مجھے لگ رہا تھا کہ وہ محتاط ہے مگر اس کے ذہن میں یہ بات ضرور موجود تھی کہ اس گھر میں اسامہ موجود ہے۔

اگلے کئی ماہ تک پینیٹا سی آئی اے کے اہلکاروں کی نااہلی پر کڑھتا رہا اور بار بار یہی بات کرتا رہا کہ پتہ لگایا جائے کہ اس کمپاؤنڈ کے اندر کیا ہے، مجھے صرف باہر سے اس گھر کی نگرانی نہیں چاہیے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ پینیٹا نے اینٹی ٹیررزم سنٹر کے اہلکاروں سے کہا کہ جاسوسی کا ہر ذریعہ استعمال کرو، چاہے سیوریج لائن کے ذریعے آلات سماعت کی گھر کے اندر تنصیب ہو، دو کلومیٹر دور پہاڑ پر

بائی سکوپ کی تنصیب ہو یا کمپاؤنڈ کے اندر موجود درختوں پر کیمرہ لگانا...... یہ سارے ذرائع استعمال میں لاؤ۔ سنٹر کی طرف سے کہا گیا کہ اتنی زیادہ جاسوسی کی اشیا سے ہمارے آپریشن کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر کچھ عرصے بعد پینیٹا جن درختوں پر کیمرے نصب کرنے کا سوچ رہا تھا کویتی نے وہ درخت ہی کٹوا دیے۔

آخر کار پینیٹا کے چیف آف سٹاف جیریمی بیش نے اسامہ کا پیچھا کرنے والوں کو سی آئی اے میں جمع کیا اور کہا کہ چیئرمین کو کم سے کم ایسے 25 آئیڈیاز دیں جس سے یہ جانا جاسکے کہ اس کمپاؤنڈ کے اندر کیا ہو رہا ہے، اس موقع پر ایجنٹس نے مختلف تجاویز پیش کیں جن میں کچھ احمقانہ حد تک غیر معقول تھیں۔ ایک خیال یہ پیش کیا گیا کہ کوئی بدبودار بم کمپاؤنڈ میں پھینکا جائے تا کہ اس کے مکین باہر نکل آئیں، ایک خیال یہ بھی پیش ہوا کہ کمپاؤنڈ سے باہر اعلان کرایا جائے کہ اللہ کے نام پر ہو رہے کار خیر میں شرکت کرو، ایک خیال یہ بھی سامنے آیا کہ چھوٹے سے سیٹلائٹ ڈش کی بدولت گھر میں موجود ٹی وی کے ذریعے یہ جاننے کے لیے آلات جاسوسی لگائے جائیں کہ کہیں اسامہ کوئی ویڈیو ٹیپ تو ریکارڈ نہیں کرا رہا۔

پینیٹا نے یہ سارے آئیڈیاز سننے کے بعد صرف تین چار آئیڈیاز پر فوکس کرنے کا کہا جو تخلیقی آئیڈیے تو تھے مگر اخلاقی طور پر درست تھے کہ نہیں اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ قبائلی علاقے کے ایک ڈاکٹر شکیل آفریدی کے ذریعے اسامہ کے کمپاؤنڈ کے ارد گرد جعلی ویکسینیشن مہم چلائی جائے۔ خیال یہ تھا کہ اس طریقے سے اس کمپاؤنڈ کے مکینوں کے خون کے نمونے حاصل کیے جائیں اور انہیں ان اسامہ کے خاندان کے ان نمونوں سے ملا کر دیکھا جائے جو سی آئی اے کے پاس اسامہ کے خاندان کے ہیں۔ مارچ میں شکیل آفریدی ایبٹ آباد پہنچا اور اس نے لوگوں کو بتایا کہ اس کے پاس فنڈز ہیں اور وہ علاقے میں ہیپاٹائٹس بی کی ویکسینیشن

کرنا چاہتا ہے۔لوگوں کو کسی قسم کا شک نہ ہو اس لیے شکیل آفریدی نے نرسوں اور دیگر عملے کی خدمات لیں اور بلال ٹاؤن کے آسودہ علاقے کی بجائے ایبٹ آباد کے غریب علاقوں سے ویکسینیشن کا عمل شروع کیا۔مگر آفریدی کی ٹیم بن لادن کے بچوں کے خون کے نمونے کبھی نہ لے سکی۔

اسوقت جو لوگ اسامہ کی گرفتاری کے لیے کام کر رہے تھے وہ بیک وقت ایمن الظواہری پر بھی کام کر رہے تھے۔ یہ تمام لوگ خوست کے خودکش حملے سے بھی بخوبی آگاہ تھے جس میں سی آئی اے کے چھ اہلکار مارے گئے تھے جبکہ سی آئی اے اسے اپنا مشن سمجھ رہی تھی اور یہ توقع کر رہی تھی کہ وہ ظواہری کے بہت قریب پہنچ چکی ہے مگر آخر میں یہ القاعدہ کا سٹنگ مشن ثابت ہوا تھا۔ وہ لوگ جو خوست میں مارے گئے تھے وہ اس ٹیم کے دوست احباب تھے جو اب یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اسامہ کے قریب پہنچنے میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔

بن لادن کی تلاش پر مبنی ٹیم میں شامل تمام افراد ہر قیمت پر تباہ کن ہتھیاروں جیسی واشگاف غلطی سے بچنا چاہتے تھے۔ یاد رہے کہ عراقی سابق صدر کے خلاف یہ غلط الزام کے وہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار تیار کر رہا ہے عراق جنگ کی بنیاد بنائے گئے تھے اور یہ بنیاد غلط معلومات پر تعمیر تھی جو خفیہ ایجنسی نے فراہم کی تھیں۔

کویتی کا کافی عرصہ تک پیچھا کرنے کے بعد یہ تو طے ہو گیا تھا کہ وہ اب بھی القاعدہ کے لیے کام کر رہا ہے مگر اس بات کی تصدیق ابھی تک نہیں ہو سکی تھی کہ آیا اسامہ اس کمپاؤنڈ میں ہے یا نہیں۔سی آئی اے کویتی کی فون کالیں سن رہی تھی اور پاکستان بھر میں اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

نومبر میں پینیٹا ، اسامہ کو تلاش کرنے والی ٹیم کے ہمراہ اوبامہ سے ملا اور کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں اسامہ موجود ہے۔

9۔اسامہ کے آخری سال

ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں گزری اسامہ بن لادن کی زندگی صرف بیوی بچوں کے ساتھ خوش گپیوں اور روزانہ کی مذہبی عبادات اور امریکہ و یہود مخالف لٹریچر کے مطالعے اور اپنی پرانی ویڈیوز دیکھنے تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ اس حالت روپوشی میں بھی القاعدہ کو چلانے کی کوشش کر رہا تھا حالانکہ یہ ایک مشکل کام تھا خاص طور پر اس صورت میں کہ وہ اور اس کے سرکردہ نائب فرار کی زندگی گزار رہے تھے۔

اسامہ اپنے کوریئر الکویتی کے ذریعے القاعدہ کی سرگرمیوں کو چلا رہا تھا۔کویتی اور اس کا بھائی ابرار دونوں تیس کے پیٹے میں تھے، یہ اسامہ کے محافظ بھی تھے اور باہری دنیا سے رابطے کا واحد ذریعہ بھی تھے۔ مقامی جنرل سٹور سے وہ چاول دالیں اور روزمرہ کی دیگر اشیا کی خریداری کرتے تھے۔مقامی مددگاروں ارشد خان اور طارق خان کی مدد سے یہ اسامہ کے بچوں کو عام بخارز کام کے علاج کے لیے مقامی ڈاکٹروں کے پاس لے جایا کرتے تھے۔اسامہ کے دونوں کوریئر مقامی مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جاتے تھے مگر لوگوں سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے۔لوگوں کو وہ ہمیشہ یہی بتاتے تھے کہ وہ ٹرانسپورٹ کا کام کرتے ہیں۔مگر مقامی لوگ ان کی اس توجیہ سے مطمئن نہیں ہوتے تھے، وہ انہیں ڈرگ ڈیلر سمجھتے تھے اور اس بات پر بھی حیران ہوتے

تھے کہ ان لوگوں کا اتنا بڑا گھر ہے مگر کبھی ان کو غریبوں کی مدد کرتے نہیں دیکھا گیا تھا۔

یہ دونوں بھائی طویل عرصے سے القاعدہ سے وابستہ تھے۔ ان کا باپ کوئی پچاس سال قبل پاکستان کے شمالی علاقوں سے ہجرت کر کے کویت گیا تھا۔ ان کے اس پس منظر کی وجہ سے یہ لوگ اسامہ کے لیے ناگزیر ہو گئے تھے کیونکہ یہ آسانی سے پشتو زبان بولنے والے اس علاقے میں گھل مل سکتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے اسامہ کے ہاتھ پر وفاداری کی بیعت کر رکھی تھی۔

کویتی کا اہم ترین کام اسامہ کے ان خطوط کو پہنچانا تھا جو بن لادن القاعدہ کے لیڈروں کے لیے بھیجتا تھا۔ کویتی ان خطوں کو انتہائی احتیاط کے ساتھ پشاور تک لے جاتا تھا جہاں سے یہ خط پاکستان کے شمالی علاقوں میں بھیج دیے جاتے تھے جہاں القاعدہ کے اہم لیڈر موجود تھے۔ کویتی پاکستانی اور امریکی فوجیوں کی اس صلاحیت سے بخوبی آشنا تھا کہ وہ موبائل کے ذریعے لوگوں کو ٹریس کر سکتے ہیں اس لیے وہ کمپاؤنڈ سے ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر موجود قصبے حسن ابدال جا کر ہی اپنا موبائل فون آن کرتا تھا۔

اسامہ کویتی کے ذریعے نہ صرف اپنی تنظیم کے ساتھ رابطے میں تھا اور القاعدہ کی عراقی، صومالیائی اور یمنی شاخوں کا انتظام دیکھ رہا تھا بلکہ وہ کسی بڑے حملے کی منصوبہ بندی بھی کر رہا تھا۔

القاعدہ میں اسامہ کے چیف آف سٹاف سمجھے جانے والے عطیہ عبدالرحمٰن، کو اسامہ نے سفارتی سطح پر غیر لچک پذیر ہونے کی وجہ سے زیادہ نمایاں نہیں رکھا مگر وہ ہمیشہ عطیہ کے ساتھ رابطے میں رہا، کچھ رپورٹوں کے مطابق اسامہ اپنے نائب ایمن الظواہری سے زیادہ عطیہ کے ساتھ رابطے میں رہے۔ یہ عطیہ ہی تھا جس کے ذریعے اسامہ اپنے منسلکین کو پیغامات بھیجتا تھا۔ ان منسلکین میں شمال مغربی افریقہ کی

دہشت گرد تنظیم القاعدہ اسلامی مغرب میں، صومالی گروپ الشباب، عراقی القاعدہ شامل تھے۔ نائن الیون کے بعد رحمان نے ایران کا بھی دورہ کیا جہاں اہم القاعدہ لیڈر سیف العدل اور اسامہ کا خاندان عملی نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔

عراق کے حوالے سے اسامہ کو ہمیشہ تشویش رہی تھی۔ 2003 تک اسامہ کو امید تھی کہ عراق میں القاعدہ کی سرپرستی مین سنی حکومت قائم ہو جائے گی۔ جب اسامہ کو ایبٹ آباد میں رہتے دو سال گزر گئے تو وہ اس حوالے سے مایوس ہو گئے کیونکہ عراقی القاعدہ نے نہ صرف شیعہ مسجدوں اور مزاروں پر حملے کرنے شروع کر دیے بلکہ وہ سنی جوان کے تصورات سے متفق نہیں تھے ان کو بھی مارنا شروع کر دیا۔ اسامہ نے عراقی القاعدہ کے لیڈرز کو یاددہانی کراتے ہوئے کہا کہ نوے کی دہائی میں الجیریا کی جہادی تحریک نے بھی یہی غلطیاں کی تھیں اور بڑے پیمانے پر خونخوار خانہ جنگی شروع کر دی جس کی وجہ سے عوام میں غیر مقبول ہو گئی۔

نومبر 2005 میں اسامہ ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں منتقل ہو گیا۔ اس وقت رحمٰن نے سات صفحات پر مبنی ایک خط عراق میں القاعدہ کے لیڈر زرقاوی کو لکھا جو وحشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مغویوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے اس کی ویڈیو ٹیپس انٹرنیٹ پر جاری کر رہا تھا۔ یہ خط جو دراصل اسامہ کے نظریات پر مشتمل تھا اس میں زرقاوی کے اس عمل پر نرم انداز میں تنقید کی گئی تھی۔

چھ ماہ بعد جب زرقاوی ایک بم حملے میں مارا گیا تو اسامہ نے اس کی تعریف میں جو ٹیپ جاری کی اس کی وجہ یہ تھی کہ زرقاوی نے عراق میں جس طرح امریکیون کے خلاف جنگ جاری رکھی تھی اس طرح اسامہ خود بھی جنگ نہ کر پاتا۔ ذاتی سطح پر بن لادن کو احساس تھا کہ زرقاوی نے القاعدہ کی نظریات کو نقصان پہنچایا تھا۔ اکتوبر 2007 میں القاعدہ لیڈر نے عراق میں القاعدہ کے پیروکاروں کے رویے پر

معذرت کرتے ہوئے انہیں شدت پسند قرار دیا۔

اگرچہ اسامہ کا ایبٹ آباد میں قیام سالوں طویل ہو گیا مگر اس کی توجہ کا محور ہمیشہ امریکہ پر حملہ کرنا تھا۔ ستمبر 2011 میں جب نائن الیون حملوں کی ایک دہائی مکمل ہو گئی تو اسامہ نے عراق یمن اور صومالیہ میں موجود القاعدہ کی شاخوں کو ایک خط لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ اب بھی ہمارا حقیقی دشمن امریکہ ہے اور مقامی لڑائیوں میں الجھ کر اس طرف سے توجہ نہ ہٹائی جائے۔ اسامہ نے اس وقت صدر اوبامہ اور ڈیوڈ پیٹریاس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جنہوں نے عراق میں القاعدہ کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ اسامہ کی خواہش تھی کہ اہم امریکی شہروں جیسے شکاگو، واشنگٹن، نیویارک اور لاس اینجلس پر بھی حملے کیے جائیں۔ دوسری طرف رحمٰن بار بار اسامہ کو یہ بتا رہا تھا کہ القاعدہ کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ اس طرح کی بڑی کارروائیاں کر سکے۔ اسامہ کے کچھ دیگر نائبین نے اسامہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ امریکہ میں جا کر حملے کرنے کی بجائے بہتر پالیسی یہ ہے کہ افغانستان میں موجود امریکی فوجیوں کے خلاف مربوط انداز میں لڑا جائے، یہ مشورہ بن لادن نے نظر انداز کر دیا۔

اسامہ نے یہ منصوبہ بھی بنایا کہ امریکہ میں کارروائیاں کرنے کے لیے امریکہ سے ہی ناراض شہریوں کو بھرتی کیا جائے جو ٹرینوں کے ٹریک پر درخت رکھ کر یا اس طرح کی دیگر سرگرمیوں کے ذریعے سے امریکہ میں حملے کریں۔ ایک بار تو اسامہ کو یہ خیال بھی آیا کہ القاعدہ کا نام تبدیل کر دیا جائے جو بدنام ہو چکا تھا۔ اسے یہ فکر تھی کہ تنظیم کا پورا نام القاعدہ الجہاد تھا جس کا مطلب تھا مقدس جنگ کی بنیاد، یہ تصور مغرب میں بالکل موجود نہیں رہا تھا جو اسے صرف القاعدہ کے ہی نام سے پکارتے تھے۔ اسامہ کے نزدیک جہاد کا لفظ نکال کر مغرب یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان کی جنگ اسلام کیخلاف نہیں بلکہ صرف ایک تنظیم کے خلاف ہے۔ اس حوالے سے اسامہ نے

احیائے خلافت، اور خدائے واحد و جہاد جیسے نام بھی سوچے۔

اسامہ کے نائبین نے اس عرصے میں اسامہ کو جو خط لکھے ان میں اپنے مسائل کا بھی ذکر کیا۔ ان کے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں ہو رہے ڈرون حملے تھے۔ یاد رہے کہ پاکستان کی حدود کے اندر ڈرون حملوں کا سلسلہ صدر بش کے دور میں 2004 میں شروع ہوا تھا۔ جبکہ اوبامہ کے دور میں ان حملوں میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ بش کے دور میں اوسط چالیس روز بعد ایک ڈرون حملہ ہوتا تھا جبکہ اوبامہ کے دور میں ہر چار دن بعد اوسطاً ڈرون حملہ کیا گیا۔ ان ڈرون حملوں میں امریکہ کو کافی کامیابیاں بھی ملیں۔ مئی 2010 میں شمالی وزیرستان کے مرکزی شہر میران شاہ میں ہوئے ڈرون حملے میں مصطفٰی ابوالیزید اپنی بیوی اور بچوں سمیت مارا گیا۔ مصطفیٰ القاعدہ کے بانی ارکان میں سے تھا اور القاعدہ میں اس کی تیسری پوزیشن تھی اور وہ کیمیائی ہتھیاروں کا ماہر تھا۔ ان ڈرون حملوں میں اسامہ کے تقریباً چھ اہم نائب مارے گئے۔

رحمان نے اپنے ایک خط میں اسامہ کو لکھا کہ ڈرون حملوں کی وجہ سے القاعدہ ممبران کو مشکلات کا سامنا ہے اور پوچھا کہ آیا کوئی ایسا مقام ہے جہاں ہم ان ممبران کو جمع کر سکیں۔ اسامہ نے اس کے جواب میں کہا کہ وہ لوگ جو امریکہ کو القاعدہ کے لیڈروں کے بارے میں اطلاعات دے رہے ہیں جس کی وجہ سے امریکہ کو کامیابیاں مل رہی ہیں پہلے انہیں ڈھونڈا جائے اور ختم کیا جائے۔ اس حکم کے جواب میں یہ شکایت اسامہ کے سامنے پیش کی گئی کہ چند ہزار ڈالر کے بجٹ کے ساتھ ایسے لوگوں کے حوالے سے معلومات جمع کرنا مشکل ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت اسامہ اور اس کی تنظیم کو فنڈز کی شدید کمی کا سامنا تھا اور وہ اپنے مالی معاملات پاکستانی ڈپلومیٹس کو اغوا کر کے تاوان کی شکل میں چلا رہے تھے۔

اسامہ ان مالی مشکلات سے بخوبی آگاہ تھا۔ یہ بات بھی اسے پریشان کر رہی تھی کہ کافی عرصے سے وہ مغرب پر کوئی حملہ نہیں کر سکا تھا۔ کافی غور وخوض کے بعد 2011 کے موسم بہار میں اس نے افغانستان اور پاکستان میں لڑ رہے شدت پسند گروہوں کے ایک گرینڈ الائنس کے قیام کے بارے میں سوچا۔ اپنے ساتھیوں کی مدد سے اسامہ نے پاکستانی حکومت سے بھی کسی قسم کی ڈیل کرنے کا کہا۔ اس ڈیل میں القاعدہ نے کہا کہ وہ پاکستان میں حملے نہیں کرے گی جبکہ پاکستان ان کو سرکاری طور پر تحفظ دے گا۔ مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ ایسی کوئی ڈیل ہوئی یا نہ ہوئی۔ اور ویسے بھی یہ ایک بچگانہ خیال تھا۔ کوئی بھی پاکستانی حکومت القاعدہ یا اسامہ کے ساتھ ڈیل کرنے پر تیار نہ ہوتی جن کے خلاف القاعدہ اعلانیہ طور پر حملے کرتی رہی تھی اور صدر مشرف کو دو بار مارنے کی بھی کوشش کر چکی تھی۔

اسامہ دنیا کے سامنے اپنے توانا امیج پیش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بن لادن نے ایک بار ملا عمر سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اس کی مہم کا نوے فیصد حصہ وہ ہے جو میڈیا میں لڑا جاتا ہے۔ وہ ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں بیٹھ کر مختلف اینگلز سے ویڈیو ٹیپس جاری کرتا رہا۔ دنیا کو اپنا جوان روپ دکھانے کے لیے اس عرصے میں جو ویڈیو ٹیپ اسامہ نے جاری کیے ان میں اس نے اپنے بال سیاہ کیے ہوئے تھے۔ اور پہلے کے برعکس اب جو ویڈیو ٹیپس جاری ہو رہی تھیں ان میں اس نے بندوق ساتھ نہیں رکھی ہوتی تھی۔

2007 میں اسامہ نے ایک ویڈیو ٹیپ جاری کی جس کو مغرب میں بہت توجہ سے دیکھا گیا کیونکہ یہ تین سال کی غیر حاضری کے بعد جاری ہوئی تھی۔ اس ٹیپ میں اس نے براہ راست امریکی عوام کو مخاطب کرتے ہوئے دھمکی دیے بغیر کہا کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ سے اسامہ سالانہ پانچ آڈیو ٹیپس بھی جاری کرتا

رہا۔ یہ آڈیو ٹیپس بعدازاں جہادی ویب سائٹس پر اپ لوڈ کردی جاتیں یا پھرالجزیرہ ٹی وی کو بھیج دی جاتیں۔ ڈنمارک کے کارٹونسٹ کے توہین آمیز خاکے ہوں، اسرائیل کا غزا پر حملہ ہو یا فرانس کی طرف سے مسلم خواتین کو سکارف پہننے پر پابندی کا فیصلہ اسامہ تمام ان مسائل پر بولتا رہا جو مسلم دنیا کے حوالے سے تھیں، مگر عرب ملکوں میں جو انقلابی لہر ابھری اس کے حوالے سے اسامہ نے ان آڈیو ٹیپس میں ایک بھی لفظ نہ کہا۔

بلاشبہ اسامہ کا خاندان اوراس کے پیروکاراس کا احترام کرتے تھے مگر 2011، جب اسامہ کو ایبٹ آباد میں رہتے ہوئے چھ سال ہوگئے تھے، وہ اسلامی دنیا کے لیے غیر متعلق سا ایک شخص بن چکا تھا۔ رابن ہڈ جیسا اس کا امیج ختم ہو چکا تھا۔ مسلم دنیا نے مسلم شہریوں کو قتل کرنے کی وجہ سے القاعدہ کے تصورات کو رد کر دیا تھا۔ اور جو چیز اسامہ کے لیے مہلک ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ اس کے پاس عرب دنیا کے سیاسی ومعاشی مسائل کے حل نہیں تھے۔

10۔ خفیہ جنگجو

13 اپریل 2009 کے دن جب صومالیہ کی بندرگاہ سے کئی سو میل دور، جوں ہی بحیرہ ہند پر شام کے دھندلکے گہرے ہوئے، تین گولیوں کے چلنے کی آوازیں آئیں، تینوں گولیاں اپنے شکار تک پہنچنے میں کامیاب رہی تھیں۔ یہ تین شکار چھوٹی سی ایک لائف بوٹ میں سوار صومالی بحری قزاق تھے۔

ان قزاقوں نے گذشتہ پانچ دنوں سے امریکی مال بردار طیارے میرسک البامہ کے کپتان رچرڈ فلپ کو یرغمال بنایا ہوا تھا۔ صدر اوبامہ نے حکم دیا کہ اگر فلپ کی جان کو خطرہ ہے تو طاقت کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ دوسری طرف قزاقوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ کچھ دن پہلے ان کی کشتی کے قریب ہی موجود امریکی طیارے بین برتیج پر سیل کی ٹیم پیراشوٹ کے ذریعے پہنچ چکی تھی۔ سیل کی یہ ٹیم اس طیارے میں پوزیشن لے کر بیٹھی فلپ پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ ان قزاقوں میں سے ایک نے جب اپنی اے کے 47 رائفل فلپ پر تانی کہ گویا اسے گولی مار رہا ہو، تو اسی وقت امریکی بحری طیارے پر موجود سیل ٹیم کے انچارج نے اپنی ٹیم کو حکم دیا کہ وہ قزاقوں کو اڑا دیں۔ جس کے بعد صرف تیس گز دور موجود اس جہاز سے سیل ٹیم کے ارکان نے بیک وقت تین گولیاں چلائیں، جنہوں نے قزاقوں کا صفایا کر دیا۔

سیل ٹیم کے اس آپریشن کی کامیابی کے بعد اوبامہ نے فلپ کی مدد کے لیے بنائے گئے جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ کے لیڈر وائس ایڈمرل ولیم مکریون کو بلایا اور اس کامیابی پر اسے مبارکباد دی۔ یہ آپریشن اس وقت کیا گیا تھا جب ابھی اوبامہ کو امریکی صدر کا عہدہ سنبھالے تین ماہ ہوئے تھے، اس وقت ہی ابامہ کو امریکہ کی اس پیشہ ور خفیہ آپریشنز کرنے والی ٹیم کی صلاحیت پر بھروسہ ہو گیا تھا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا گیا۔

مگر امریکہ کے خفیہ آپریشنز کی تاریخ ہمیشہ سے ایسی نہیں رہی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ کا جنم ابامہ کے صدر بننے سے تین دہائیاں قبل ایران کے صحراؤں میں امریکہ کو ہونے والی شکست سے ہوا تھا۔ تب خمینی کے جاں نثاروں نے 1979 میں تہران میں موجود امریکی سفارتخانے کے 52 افراد کو یرغمال بنا لیا تھا۔ اس وقت کے امریکی صدر نے ان افراد کی مدد کے لیے ایک خصوصی مشن بھیجا تھا۔ یہ مشن بہر حال آسان نہیں تھا جو ایک ہزار میل کی دوری سے اڑ کر ایران کے صحرائی علاقے میں پہنچا تھا۔ امریکی یرغمالی اس وقت ایران کے جنونی نیشنل ریوولوشنری گارڈ کے نرغے میں تھا جن سے بازیاب کرانے کے لیے امریکی خصوصی خفیہ مشن وہاں پہنچا تھا۔

اس خفیہ آپریشن کا نام ایگل کلا تھا جسے بسا اوقات ڈیزرٹ ون کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ آپریشن اپنے آغاز میں ہی ناکامی سے دوچار ہو گیا تھا۔ ناکامی کی سب سے بڑی وجہ تو یہ رہی کہ مشن میں شامل آٹھ میں سے تین ہیلی کاپٹر صحرائی طوفان کی وجہ سے فنی خرابیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ جس کے بعد مشن کو ختم کر دیا گیا تھا۔ فعال پانچ ہیلی کاپٹر بعد میں ایک صحرائی علاقے میں ایک امریکی ٹرانسپورٹ طیارے سے ٹکرا گئے جس میں آٹھ امریکی اہلکاروں کی ہلاکت ہو گئی۔ امریکی حلقوں میں یہ آپریشن مکمل ناکامی کا ایک آدرشی نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔ واشنگٹن میں سی آئی

اے کا ایک ابھرتا ہوا چالیس سالہ رابرٹ گیٹس اس ناکامی کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کر رہا تھا۔

پینٹا گان نے جب آپریشن ایگل کلا کی تفتیش کرائی تو اس میں متعدد مسائل ابھر کر سامنے آئے...... یہ آپریشن آرمی، نیوی، ایئر فورس اور میرینز چاروں افواج کے اہلکار ملکر پہلی دفعہ کر رہے تھے اور ہر فوجی یونٹ کی یہ خواہش تھی کہ وہ آپریشن کے دوران نمایاں رہے۔ آپریشنل سکیورٹی پر حد سے زیادہ زور دینے کی وجہ سے چاروں فورسز نے معلومات ایک دوسرے سے شیئر کیں نہ ہی پورے مشن کا منصوبہ لکھی ہوئی صورت میں تیار کیا۔ نیوی نے اس مشن کے لیے ہیلی کاپٹر بہتر تیار نہ کیے اور فضائیہ کے جو ہواباز یہ جہاز اڑا کر گئے وہ کمانڈ وایکشن کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ہی اس مشن کے حوالے سے کوئی تربیتی مشق اور ریہرسل ہی کی گئی۔

اس تمام صورت حال کی روشنی میں بہت سی چیزیں تھیں جنہیں درست ہونا تھا۔ اور درستگی کا یہ سلسلہ شروع ہوا1980 میں نارتھ کیرولینا میں جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ (جے ایس او سی، جسے جے ساک کہا جاتا ہے) کے قیام سے، تا کہ اس نوع کے آپریشنز کے لیے ساتھ ملکر بے خطا انداز میں کام کیا جا سکے۔ جے ساک کے اہم ترین اثاثے تھے خفیہ بلیک نیوی سیل یونٹس، آرمی کی ڈیلٹا فورس اور 75 رینجرز رجمنٹ، 160 سپیشل ایئر رجمنٹ کے ہیلی کاپٹر پائلٹس، اور ایئر فورس کے سپیشل ٹیکٹکس سکوارڈرن۔

امریکی افواج کی اعلیٰ قیادت جے ساک کے عملے کو کاؤ بوائز کا نام دے کر ان کی اہلیت کے حوالے سے ہمیشہ مشکوک رہے تھے۔ اور اس کے بعد صومالی دارالحکومت موغادیشو کا حادثہ اکتوبر1993 میں ہوا۔ جے ساک کے اس خصوصی مشن میں جس کے تحت صومالیہ میں مقیم امریکی افواج پر حملے کرنے والے ایک قبیلے کے سردار کو پکڑنا

تھا، جے ساک اہلکاروں کو بڑی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جب دو بلیک ہاکس ہیلی کاپٹرز کو صومالی جنگجوؤں نے راکٹ سے گرنیڈ مار کر گرادیا جس میں اٹھارہ امریکی اہلکار ہلاک ہو گئے۔

ابھی تک امریکی حکومت کے اہلکاروں کو یہ بات معلوم نہیں کہ القاعدہ نے اپنے بہترین تربیت کاروں کو سوڈان سے صومالی قبائل میں بھیجا تھا جنہوں نے انہیں تربیت دی تھی کہ کیسے گرنیڈز کے ذریعے ہیلی کاپٹروں کو گرا کر امریکی افواج کا زیادہ سے زیادہ نقصان کیا جا سکتا ہے۔ موغادیشو کے اسی ناکام تجربے کی وجہ سے پینٹا گان 1996 میں القاعدہ پر سپیشل فورسز کے آپریشن کے حوالے سے متامل رہی جب یہ لوگ افغانستان میں جمع ہو رہے تھے۔ بل کلنٹن اپنے دور میں متعدد بار جے ساک کے ذریعے القاعدہ پر حملے پر زور دیتے رہے مگر فوجی حکام نے اس حوالے سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا۔

نائن الیون کے بعد سیکرٹری آف ڈیفنس ڈونلڈ رمزفیلڈ ہمیشہ اس بات پر برہم رہے کہ افغانستان پر سب سے پہلے سی آئی اے کے قدم پہنچے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جے ساک کے کاؤنٹر ٹیررزم کے اہلکار وہاں پہلے پہنچتے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنا اظہار ناراضگی ایک خفیہ میمو کے ذریعے کیا جو انہوں نے اس وقت کے چیئرمین آف جوائنٹ چیفس کو لکھا تھا۔

ڈونلڈ رمزفیلڈ نے رچرڈ شلٹز کی سربراہی میں ایک کمیشن بھی بنایا جس کے ذمے یہ کام تھا کہ پتہ لگا تا کہ کیوں جے ساک نے القاعدہ کو نائن الیون حملوں سے قبل ختم نہیں کیا جب کہ یہ ادارہ بنایا ہی دہشت گردی کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے تھا۔ اس کمیشن نے اپنی تحقیق میں یہ بتایا کہ جے ساک کو یہ مشن اس لیے نہ سونپا گیا کیونکہ امریکی حکومت صومالیہ کی ناکامی سے خوفزدہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جے ساک کو کوئی

مشن دیا ہی نہ گیا، یہ بالکل ایسی ہی حرکت تھی کہ آپ کے پاس نئی فراری ہو، چلانے والا ڈرائیور بھی ہو مگر اس ڈر سے کہ فراری میں ڈینٹ نہ پڑ جائے، آپ اسے ریس میں شریک نہ کریں۔

نیویارک کے جڑواں ٹاورز اور پینٹا گان پر ہوئے حملے نے رمز فیلڈ کو وہ موقع دے دیا کہ وہ سپیشل آپریشنز یا جے ساک کو دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا مرکز بنادے۔ رمز فیلڈ نے ریٹائرڈ جنرل سکومیکر کو دوبارہ آرمی جوائن کرنے پر راضی کیا اور 6 ستمبر 2003 کو ایک مسودہ پر دستخط کیے جس کی رو سے جے ساک کو القاعدہ کو شکار کرنے کا مشن سونپا گیا اور اسے یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ آزادانہ انداز میں کام کر سکے۔

اہم بات یہ تھی کہ سی آئی اے کے برعکس جے ساک (JSOC) کو پندرہ ملکوں میں ایکشن کے حوالے سے کانگریس کو بریف کرنے کی جواب دہ نہیں تھی۔ سی آئی اے کو اپنے تمام غیر ملکی آپریشنز کے حوالے سے کانگریس کو بریف کرنا پڑتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جے ساک کو بہت سے ملکوں میں جوابدہی کے بغیر آپریشن کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ جے ساک کے امریکہ سے باہر تمام آپریشن خفیہ ہونے کی وجہ سے میڈیا اور عوام کا دباؤ بھی اس پر نہیں پڑتا تھا بلکہ کئی سال تک تو پینٹا گان جے ساک کے وجود سے ہی انکار کرتا رہا تھا۔

نائن الیون کے بعد کے عشرے میں جے ساک کی افرادی قوت میں تیزی سے اضافہ ہوا اور اٹھارہ سو سے اس کی تعداد بڑھ کر چار ہزار تک جا پہنچی اور امریکی فوج میں ایک اور فوج کی طرح قرار پائی۔ اس کے اپنے ڈرون طیارے، عام لڑاکا طیارے اور انٹیلی جنس کے آپریشن ہوتے ہیں۔ جے ساک کا تصور جنرل سٹینلے مک کرسٹل کا تھا جس نے عراق کے خلاف جنگ میں کئی بہادرانہ مشن سرانجام دیے تھے اور جسے اس کے سپاہی بہت پیار کرتے تھے۔ اپنی سابقہ مثال کو سامنے رکھیں تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے

کہ فراری کو مک کرسٹل نے گیراج سے نکالا اور اسے موت کی مشین بنا دیا جو تیزی سے دشمنوں کا صفایا کرسکتی تھی۔ مک کرسٹل کو لگا کہ عراق میں باغی گروہ خاص طور پر عراقی القاعدہ کے لڑنے کا انداز صدام کی افواج کی طرح کا نہیں بلکہ یہ گروہ ایک ڈھیلے ڈھالے سے نیٹ ورک کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور انفرادی طور پر حملہ کرتے ہیں۔ باقاعدہ افواج ٹینکوں کے ساتھ حرکت کرتی ہیں مگر ان باغی گروہوں کی نقل و حرکت ان ٹینکوں کی طرح نہیں ہوتی جنہیں سیٹلائیٹ سے حرکت کرتا ہوا دیکھا جاسکتا ہے۔ مک کرسٹل کا خیال تھا کہ اگر القاعدہ کو شکست دینی ہے تو جے ساک کو القاعدہ کے طرز پر اس کا پیچھا کرنا ہوگا۔ یوں سمجھیں کہ جے ساک ایک ایسا نیٹ ورک تھا جس کا مقصد ایک اور نیٹ ورک کو ختم کرنا تھا۔ مک کرسٹل کا کہنا تھا کہ جے ساک ایسی فورس نہیں ہونی چاہیے جو باغی لیڈروں کو ختم کرے بلکہ ان درمیانی ذرائع کو بھی ختم کرے جو باغیوں کی تربیت کرتے ہیں۔

جے ساک کو القاعدہ کی طرح تیز اور سادہ تنظیم میں ڈھالنے کے لیے مک کرسٹل نے دو اہم فیصلے کیے۔ عراق میں تیز آپریشن کے لیے مک کرسٹل نے جے ساک کے لیے واشنگٹن اور نیو یارک کے بیوروکریٹک ڈھانچے سے آزادی دلائی جس کی وجہ سے فیصلہ سازی میں کافی سے زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔ دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ جے ساک کے آپریشنز کے لیے مک کرسٹل نے سی آئی اے اور نیشنل انٹیلی جنس ایجنسی سے تجزیہ کار جے ساک کے لیے مستعار لیے۔ جے ساک کے آپریشنز کو موثر بنانے کے لیے مک کرسٹل نے جدید ٹیکنالوجی بھی حاصل کی۔

SEAL ٹیم کا حصہ بننا سب سے مشکل کام ہے جو کسی فوجی کے لیے ہوسکتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس ٹیم کا حصہ بننے کے لیے دنیا کی سب سے کڑی تربیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ کڑی جسمانی مشقت اور ہفتے میں صرف چند گھنٹے کی نیند کے لیے جسم کو تیار

کرنا، کئی کئی گھنٹے پیرا کی کرنا، ہاتھوں کو باندھ کر پچاس میٹر تک سوئمنگ اور اس طرح کی دیگر ورزشوں سے گزرنے کے بعد بھی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ 90 فیصد امیدوار منتخب نہیں ہو پاتے۔ آکسفورڈ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لینے والے ایرک گریٹنز جنہوں نے سیل میں لیفٹیننٹ کمانڈر بننے کے لیے مقابلے میں شرکت کی تھی ان جسمانی مشقتوں کے حوالے سے کہتے ہیں: ''جو لوگ سیل میں شرکت کے لیے مقابلے میں شریک ہوتے ہیں ان میں عالی سطح پر پولو کے کھلاڑی، عالمی معیار کے پیراک شامل ہیں، اس کے علاوہ ایسے لوگ بھی ان مقابلوں میں شامل ہوتے تھے جو بھاگ نہیں سکتے، سردی میں جن کے دانت کھڑکنے لگتے تھے، مگر ان ورزشوں کے بعد ایسے لوگ بھی کامیاب ہوئے۔ اور یہ لوگ صرف اس لیے کامیاب ہوئے کہ ان کی قوت برداشت عام لوگوں سے زیادہ تھی''

ان مقابلوں میں کامیابی کے بعد بھی آخری ٹیسٹ اور بھی سخت ہوتا تھا جب پانی میں لے جا کر ان کے تربیت کاران کے آکسیجن ٹینک پھاڑ دیتے اور یہ امیدوار خود ہی زندہ بچ نکلنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کا مقصد انہیں جسمانی اور دماغی سطح پر مضبوط ترین بنانا ہوتا تھا۔ سیل ٹیم کے لیے منتخب ہونا مشکل تھا تو سیل کے اس یونٹ کے لیے جس کا کام دہشت گردوں سے نمٹنا تھا اس کے لیے انتخاب مشکل ترین تھا۔ اس یونٹ کا نام سیل 6 ٹیم ہے۔ سیل 6 میں 250 کے قریب لوگ ہیں جن کی عمریں تیس سے چالیس کے پیٹے میں ہوتی ہیں۔ امریکی افواج میں سیل 6 ٹیم کو دیوگرو کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ یونٹ رنگوں کے حساب سے مزید تقسیم ہوتا ہے۔ سرخ، نیلا اور سنہری سکوارڈرن لڑاکا یونٹ ہیں، گرے کے ذمے گاڑیاں اور کشتیاں چلانا جبکہ بلیک یونٹ میں سنائپر ہوتے ہیں۔ اس سیل ٹیم کی حفاظت کے لیے دو ہزار خصوصی مہارتوں کے حامل فوجیوں پر ایک دستہ بھی موجود ہوتا ہے۔

دیوگروکا ہیڈ آفس ڈیم نیک ورجینیا میں ایک اونچی سی چار دیواری کے اندر ہے جس کے بارے میں کبھی یہ اعلان نہیں کیا گیا کہ یہ سیل ٹیم 6 کا صدر دفتر ہے۔ نائن الیون کے بعد اگرچہ جے ساک کی طاقت میں بے تحاشا اضافہ ہوا مگر جب سیل 6 یا ڈیلٹا فوج کو کسی غیر ملکی مشن پر بھیجا جاتا ہے تو سیاسی مضمرات اس حوالے سے فیصلوں پر اب بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ دہشت گردوں کے لیڈر یا تو پاکستان میں ہیں جو امریکی اتحادی ہے، یا ایران میں جو امریکہ کا شدید دشمن ہے۔ اور دونوں ہی جگہوں پر امریکی فوجی اتارنے کا کام انتہائی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

مثال کے طور پر افغانستان میں طالبان کے دور حکومت میں امریکہ کی خفیہ ایجنسیوں کو پتہ چلا کہ سعد بن لادن اور القاعدہ کے متعدد لیڈر ایرانی قصبے چلوس میں موجود ہیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ سیل ٹیم کو وہاں بھیجا جائے مگر بعد میں یہ فیصلہ واپس لینا پڑا کیونکہ ایک تو یہ خوف تھا کہ اس مشن کا انجام بھی آپریشن ایگل کلا کی طرح نہ ہو، دوسرا یہ کہ موجود خفیہ معلومات ناکافی تھیں اور ان القاعدہ لیڈروں کے ٹھیک ٹھیک مقام رہائش کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔

اس واقعہ کے تین سال بعد سی آئی اے اور جے ساک نے القاعدہ کے نمبر 3 ابوفراج اللیبی کی پیچھا کر رہے تھے جو پاکستان کے شمالی علاقوں میں سرخ رنگ کی نمایاں موٹر سائیکل پر ڈرائیو کر رہا تھا۔ خفیہ معلومات یہ تھیں کہ اللیبی افغان بارڈر پر موجود ایک قصبے میں غالباً الظواہری سے ملنے جا رہا ہے۔ منصوبہ بنایا گیا کہ سیل ٹیم کو اس مقام ملاقات کے نزدیک اتارا جائے تا کہ ان پر حملہ کیا جا سکے۔ مک کرسٹل اور سی آئی اے کے چیف اس منصوبے کے حامی تھے مگر پینٹا گان نے سیل کے اتنے کم لوگوں کی بجائے زیادہ بڑی تعداد میں فوجی بھیجنے کو بہتر منصوبہ خیال کیا۔ منصوبے میں 150 آرمی رینجرز کو شامل کیا گیا۔ مگر جوں جوں رمزفیلڈ نے اس فیصلے پر غور کرنا شروع

کیا تو اسے لگا کہ یہ آپریشن سیدھا سیدھا پاکستان پر حملے کے مترادف ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف کی حکومت کے لیے سیاسی طور پر اس آپریشن کے مضر اثرات کے خطرے کی باعث آپریشن ملتوی کرنا پڑا کیونکہ امریکہ کے خلاف پاکستان میں پہلے ہی جذبات زوروں پر تھے۔

مک کرسٹل کی کمانڈ میں موجود جوانوں کی فرسٹریشن دن بدن بڑھ رہی تھی کیونکہ ان کا دشمن نمبر ایک پاکستان میں موجود تھا مگر وہ افغانستان سے بارڈر پار کر کے نہیں جا سکتے تھے۔

11۔لائحہ عمل

دسمبر2010 میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر نے صدر اوبامہ کو ایک بار پھر ان تمام معلومات سے آگاہ کیا جو ایبٹ آباد کے اس کمپاؤنڈ سے متعلق اس کے پاس تھیں جس میں اسامہ کی موجودگی کا امکان تھا۔اگرچہ اسامہ کی اس کمپاؤنڈ میں موجودگی کے حوالے سے بے یقینی کا عنصر نمایاں تھا مگر جب اوبامہ کو پتہ لگا کہ وہاں ایک شیخ اپنی بیوی کے ساتھ قیام پذیر ہے تو اوبامہ کی دلچسپی اس میں بڑھ گئی۔ ہوائی میں کرسمس کی تعطیلات گزارنے کے لیے جانے سے قبل اوبامہ نے پنیٹا سے کہا کہ جلد از جلد اس معاملے پر کسی نتیجے پر پہنچو، کیونکہ اگر اس کمپاؤنڈ میں اسامہ ہے تو ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اوبامہ چاہتا تھا کہ اگر ایبٹ آباد کے اس کمپاؤنڈ پر حملہ کرنا ہے تو ہمیں لازماً معلوم ہونا چاہیے کہ اس میں کون ہے۔

جنوری2011 میں سی آئی اے کے اہلکار اس بات پر حیران تھے جب انڈونیشین عسکریت پسند عمر پاٹک کو ایبٹ آباد میں دیکھا گیا، جسے بعدازاں پاکستانی حکام نے ایبٹ آباد سے ہی گرفتار کر لیا، یہ شخص2002 کے بالی بم حملوں کے منصوبہ سازوں میں سے ایک تھا۔ پاٹک ایبٹ آباد پوسٹ آفس میں القاعدہ کے لیے کام کرنے والے کسی شخص سے ملنے وہاں گیا تھا۔سی آئی اے میں موجود تجزیہ کار اس بات پر حیران

تھے کہ پاٹک آخر ایبٹ آباد کیا کرنے گیا تھا۔سی آئی اے کہ اہلکار اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ محض اتفاق تھا۔

جنوری میں سی آئی اے کے ایجنٹ جان، جسے 90 فیصد یقین تھا کہ اسامہ ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں ہے، نے بتایا کہ کمپاؤنڈ سے متعلق انٹیلی جنس کا کام تقریبا مکمل ہو چکا ہے۔وہ پنیٹا کے پاس گیا اور کہا کہ اب ہمیں قدم اٹھانا ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کویتی اگلے مہینے وہاں موجود نہ ہو۔اس نے بتایا کہ اس سے زیادہ انٹیلی جنس کا حصول اب ممکن نہیں، جس کے بعد پنیٹا اوبامہ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اس کا ایک اعلی عہدیدار کہہ رہا ہے کہ اس سمت قدم اٹھالیا جائے۔اوبامہ نے سی آئی اے سے کہا کہ وہ ایبٹ آباد کمپاؤنڈ کے حوالے سے ممکنہ اقدامات کے آپشن سامنے لائیں۔

ان دنوں کمپیوٹر کی مدد سے نیشنل جیو سپیٹل انٹیلی جنس ایجنسی نے چار مربع فٹ کے اسامہ کے ایبٹ آباد کمپاؤنڈ کا بلیو پرنٹ بنایا۔یہ نقشہ ہو بہو اس کمپاؤنڈ کی طرح تھا جو ایبٹ آباد میں موجود تھا۔کمپاؤنڈ کا یہ نقشہ اگلے کئی ہفتوں تک سی آئی اے اور وائٹ ہاؤس میں موضوع بحث رہا۔اہم ترین اہلکار اس نقشے کو سامنے رکھ کر مباحثے کرتے رہے۔

کچھ عرصہ بعد ملٹری آپریشن کے خدوخال ابھر کر سامنے آنے لگے۔تب پنیٹا اور پینٹا گان کے اہم اہلکار مائیکل وکر نے اس منصوبے میں ایک اور اہم شخص کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔یہ شخص تھا ایڈمرل میکریون جوان دنوں افغانستان میں تعینات تھا۔وکر اور میکریون ایکدوسرے کو عرصہ تیس سال سے جانتے تھے۔اور گذشتہ چار سال سے دونوں ساتھ ملکر کام کر رہے تھے،میکریون جے ساک کا گراؤنڈ کمانڈر تھا جبکہ وکر اس کا سویلین سربراہ تھا۔

میکریون نے عراق میں ٹاسک فورس 121 کے سربراہی کرتے ہوئے صدام کو پکڑنے کے مشن میں اہم کردار ادا کیا تھا۔عوامی سطح پر اس کا کریڈیٹ اگرچہ روایتی

امریکی فوج کو دیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدام کو پکڑنے میں حقیقی کردار اسی فورس کا تھا جو میکریون کی سرکردگی میں کام کر رہی تھی۔

2009 میں جب عراقی جنگ کی بساط لپیٹنے کی تیاری ہو رہی تھی تو افغان پاکستان تھیٹر پر جاری جنگی سرگرمیوں کے مجموعی انچارج ڈیوڈ پیٹریاس نے میکریون کو بتایا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کا محور افغانستان شفٹ کرے۔ اسی سال میکریون نے اپنے خصوصی دستے کا صدر دفتر عراق سے افغانستان منتقل کر لیا۔ 2008 میں اس خصوصی دستے میں صرف 200 افراد تھے جبکہ 2010 میں ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہو چکی تھی۔

میکریون کے دور میں اس خصوصی فوجی دستے کی کارکردگی میں بہت زیادہ بہتری آئی اور اس گروپ کی کامیابی کی شرح 35 فیصد سے بڑھ کر 80 فیصد ہو گئی۔ جنوری 2011 میں میکریون نے سی آئی اے ہیڈکوارٹر کا دورہ کیا جہاں خصوصی فوجی دستوں کی سرگرمیوں کے مجموعی انچارج مائیکل مورل اور کاؤنٹر ٹیررزم کے حکام نے انہیں بریفنگ دی۔ میکریون نے ایبٹ آباد کے اس کمپاؤنڈ سے متعلق اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس ٹارگٹ پر بم حملوں کی بجائے خفیہ آپریشن زیادہ کارگر رہے گا۔ لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی یہ رائے کسی پر تھوپنا نہیں چاہتا بلکہ اس کی خواہش ہے کہ فیصلہ ساز قوتیں خود کسی لائحہ عمل تک پہنچیں، جس کے بعد اسے بتایا جائے کہ اس نے کیا کرنا ہے۔

میکریون نے بتایا کہ جو انٹیلی جنس کا کام سامنے آیا ہے وہ تسلی بخش ہے اور جے ساک فورسز کے لیے اس طرح کا چھاپہ مار مشن کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ میکریون نے اس آپریشن کے پیچیدہ پہلو کے حوالے سے بتایا کہ یہ مشن اس حوالے سے مشکل ہے کہ پاکستان میں ایک سو پچاس میل اندر گھسنا ہے اور اس کے بعد سیاسی طور پر اس کی توجیہہ پیش کرنی ہے۔ میکریون نے اپنے پسندیدہ اہلکاروں کا بھی نام بتایا جو اس

طرح کا مشن آسانی سے سرانجام دے سکتے ہیں۔ میکریون نے آپریشن کا جو خاکہ پیش کیا اس کی چین آف کمانڈ کچھ یوں تھی کہ صدر نے سی آئی اے چیف پینیٹا کو احکام دینے تھے جس نے آگے میکریون سے رابطہ رکھنا تھا۔

نیوی کے جس کیپٹن کو اس آپریشن کی گراؤنڈ کمانڈ سونپی گئی اسے ایبٹ آباد کمپاؤنڈ کی مکمل تصویری جھلکیاں دکھائی گئیں۔ اس کے علاوہ بھی آدھے درجن لوگوں کو اس ممکنہ آپریشن کی منصوبہ بندی کے عمل میں شریک کیا گیا جن کا تعلق سیل ٹیم 6 سے تھا۔

میکریون نے ایبٹ آباد مشن کو انتہائی سادہ رکھا، اسکو تیز، موثر اور سرعت رفتار رکھنے کے لیے اس مشن کی بار بار ریہرسل کی گئی۔ آپریشن کے حوالے سے اہم ترین نقطہ پاک امریکہ تعلقات تھے جو کبھی بھی زیادہ گرم جوشی پر مبنی نہیں رہے تھے۔ یاد رہے کہ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں ہمیشہ سے ایک سردمہرانہ پہلو رہا ہے۔ پاکستان سمجھتا ہے کہ امریکہ ایک مفاد پرست دوست ہے جو اپنی ضرورت کے وقت پاکستان کو استعمال کرتا ہے۔

ایک طرف ایبٹ آباد مشن کے حوالے سے انٹیلی جنس کا کام اپنے زوروں پر تھا تو دوسری طرف پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کے درمیان وہ فیصلہ کن موڑ آ گیا جب ایک امریکی شہری ریمنڈ ڈیوس نے لاہور میں 25 جنوری 2011 کو دو پاکستانی شہریوں کو ہلاک کر دیا۔ امریکہ نے اپنے اس شہری کی حوالے سے جس نے دن دیہاڑے دو لوگوں کو یہ کہہ کر ہلاک کر دیا کہ وہ اسے لوٹ رہے تھے، کئی بیانات بدلے، کبھی کہا گیا کہ وہ فلاں کام کرتا ہے اور کبھی کہا گیا کہ وہ فلاں کام کرتا ہے جبکہ آخر میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ ریمنڈ امریکی سی آئی اے کا ایک کنٹریکٹر تھا۔ اس واقعے نے پاکستانیوں کے اس عام تاثر کو مزید تقویت دی کہ کہ پاکستان میں ہر جگہ سی آئی اے کے جاسوس بھرے ہوئے ہیں۔ لوگوں اور کچھ پاکستانی سیاستدانوں نے یہ

مطالبہ بھی کرنا شروع کر دیا کہ ریمنڈ کو پھانسی دی جائے۔ اس واقعے کے نتیجے میں پاک امریکہ تعلقات میں جو مزید سرد مہری پیدا ہوئی اس کی وجہ سے اگر کوئی بھی چانس موجود تھا کہ امریکی حکام پاکستان کو ایبٹ آباد مشن کے حوالے سے مطلع کرتے تو وہ امکان بھی ختم ہو گیا۔

پاکستان اس وقت لینڈ لاکڈ افغانستان میں امریکہ اور نیٹو کے لیے سپلائی کی بھی گزرگاہ تھا جہاں سے تیل، خورک اور دیگر ساز وسامان افغانستان جا رہا تھا علاوہ ازیں پاکستان نے اپنے ائیر بیس سے امریکی طیاروں کو دن میں تین سے چار سو تک پروازوں کی اجازت بھی دی رکھی تھی جہاں سے افغانستان میں مقیم ایک لاکھ امریکی فوجیوں کو سامان رسد بھیجا جا رہا تھا۔

اس حقیقت سے آشنا ہونے کی وجہ سے امریکہ نے افغانستان کی اپنی سپلائی کو درپیش کسی بھی رکاوٹ کا حل یہ تلاش کیا کہ روس سے تعاون بڑھایا تا کہ مشرقی وسطی کی ریاستوں کے ذریعے سپلائی کی متبادل راہ دستیاب رہے۔

سیکرٹری آف سٹیٹ جو ہر اس موقع پر اہم کردار ادا کرتی رہی تھیں جب پاک امریکہ تعلقات میں تلخی پیدا ہوئی۔ ان کا بھی موقف یہی رہا کہ اگر اسامہ کو پکڑنے کا موقع ہمیں دستیاب ہے تو یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ مس کلنٹن کا کہنا تھا کہ میں نہیں چاہتی کہ اسامہ تورا بورا کی طرح یہاں سے بھی نکل جائے۔

یہ وہ وقت ہے جب اوبامہ کی دلچسپی اس بات میں نہ تھی کہ اسامہ کے حوالے سے انٹیلی جنس کی کیا صورت حال ہے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کے سامنے لائحہ عمل پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں فروری کے اختتامی دنوں میں جمعہ کے روز ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں میکریون، وکرز اور کارٹرز نے شرکت کی۔ یہ میٹنگ دراصل ایک قسم کی ریہرسل میٹنگ تھی، حقیقی میٹنگ دو ہفتہ بعد ہونا تھی جس میں صدر، پینیٹا، مورل اور

جیریمی بیش شامل تھے۔ 14 مارچ 2011 کو اوبامہ کی جنگی کابینہ کا اجلاس وائٹ ہاؤس میں ہوا تا کہ صدر کو تفصیلی بریفنگ دی جاسکے۔ اس موقع پر صدر کو ان چار آپشنز کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا جو حتمی طور پر قابل عمل قرار پائے تھے۔ ان آپشنز میں بی 2 بمبار طیارے کے ذریعے بمباری، ڈرون سے حملہ، خفیہ آپریشن اور پاکستانی حکام کے ساتھ ملکر آپریشن کرنا شامل تھے۔

بی 2 طیارے کے ذریعے حملے کا آپشن یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ اس سے وسیع پیمانے پر دھماکہ خیز مواد پھینکنا پڑتا تھا اور ایک ایکڑ پر مشتمل اس کمپاؤنڈ کو تہس نہس کرنے کے حوالے سے جو بمباری ہوتی تھی اس سے اس خطے میں زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو سکتی تھی، اس کے علاوہ اس سے عام شہریوں کی بھی ہلاکتیں ہونا تھیں اور اس کے ساتھ اسامہ کی موت کی تصدیق بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس حملے سے امریکی افواج کو ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے یہ تصدیق حاصل نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ اسامہ تھا۔

اس میٹنگ کے اختتام پر میکریون نے براہ راست اوبامہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر صدر خفیہ آپریشن کا یہ طریقہ اگر چہ ہم نے آزمایا ہوا نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ طریقہ بہتر ہے۔ اوبامہ نے پوچھا اس کے لیے آپ کو کتنا وقت درکار ہے۔ میکریون نے جواب دیا کہ مجھے تین ہفتے چاہیے ہوں گے تا کہ اس آپریشن کی مکمل ریہرسل کی جاسکے۔ اس پر اوبامہ نے کہا کہ آپ لوگ تیاری کریں۔

16 مارچ کو ریمنڈ ڈیوس کو رہا کر دیا گیا۔ وائٹ ہاؤس میں ایبٹ آباد آپریشن کی منصوبہ بندی کر رہے لوگوں کے لیے یہ ایک حوصلہ افزا خبر تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ڈیوس کو پاکستان میں جس نفرت سے سوچا جاتا ہے ایبٹ آباد کے اس آپریشن کی صورت میں انہیں جیل میں مارا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد کافی دنوں تک مختلف آپشنز پر بھرپور مباحثہ ہوتا رہا اور فیصلہ خفیہ سیل ٹیم آپریشن کے حق میں ہوا اگر چہ اہم تین

صدارتی مشیر رابرٹ گیٹس نے اس کی مخالفت کی تھی۔

اس صورت میں کہ اگر سیل ٹیم کو ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں پاکستانی افواج گھیر لیتیں تو اس صورت میں پاکستان کے طاقتور ترین آدمی آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی سے فون پر کون بات کرے گا، اس پر کافی بحث ہوئی۔ جوں جوں اس پر مزید بات ہوتی گئی یوں لگ رہا تھا کہ اوباما اس منظر نامے سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے میکریون سے کہا کہ اس طرح کی کوئی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو اس کی ساری ذمہ داری تم پر ہے کہ تم اپنے تمام لوگوں کو بحفاظت واپس لے آؤ۔

11 اپریل کو پینیٹا کی ملاقات پاکستانی آئی ایس آئی کے چیف لیفٹیننٹ جنرل شجاع پاشا سے ہوئی جس میں ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر سی آئی اے کی پاکستان میں حد سے زیادہ سرگرمیوں پر شکوہ کیا۔

ایک طرف وائٹ ہاؤس میں آپریشن کے سلسلے میں مباحث تندی سے جاری تھے تو دوسری طرف نارتھ کیرولینا میں سیل ٹیم کا ریڈ سکوارڈرن بغیر یہ جانے کے وہ کس ہدف کو پکڑنے کے لیے مشقیں کر رہا ہے، اس ڈمی کمپاؤنڈ پر آپریشن کی ریہرسل کر رہا تھا جو ہو بہو ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ جیسا تھا۔ آپریشن سے ایک ہفتہ قبل انہیں معلوم ہوا کہ ان کا ہدف اسامہ بن لادن ہے۔ یہ جاننے کے بعد سیل ٹیم کا جوش دیدنی تھا۔

آپریشن کے لیے ایک ایسی رات کا انتخاب کیا گیا جس میں چاند بالکل نہ ہوتا۔ اس سے سپیشل آپریشنز ایوی ایشن رجمنٹ 160 کے نائٹ سٹاکرز کو نائٹ گوگلز کی مدد سے پاکستانی سکیورٹی فورسز کی نظر میں آئے بغیر ٹارگٹ تک پہنچنے میں سہولت ہوتی کیونکہ ان چاپرز نے افغان بارڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہونا تھا۔ بے چاند رات کا ایک اور فائدہ سیل ٹیم کو یہ بھی تھا کہ سیل ٹیم کے پاس تو رات کی تاریکی میں دیکھنے کی صلاحیت تھی لیکن حریف کے پاس یہ سہولت نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ آسانی

سے رات کے وقت دیکھ سکتے تھے۔30 اپریل، آئندہ ہفتے کی رات پاکستان میں کہیں بھی چاند نہیں تھا اس لیے یہ طے پایا کہ اس رات آپریشن کیا جائے، اس رات آپریشن نہ ہوسکنے کا مطلب یہ تھا کہ آپریشن یکم جون تک ملتوی ہو جاتا کیونکہ اس کے بعد وہی رات تھی جو بے چاند ہونا تھی مگر تب تک موسم بہت زیادہ گرم ہو جانا تھا جو چاپرز کی پرواز کے لیے رکاوٹیں پیدا کرسکتا تھا۔ اس رات آپریشن کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ سی آئی اے کے مطابق ہفتے کی رات پاکستان کی افواج کی سرگرمیاں محدود ترین ہوتی تھیں۔ یکم جون تک تاخیر کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہوسکتا تھا کہ آپریشن سے متعلق معلومات لیک ہوسکتی تھیں۔

لائٹر نے نیشنل کاؤنٹر ٹیررزم سنٹر سے دو سینیئر تجزیہ کار بھی لیے اور انہیں اس آپریشن میں شامل ٹیم کا حصہ بنایا۔ ان تجزیہ کاروں سے کہا گیا کہ وہ دستیاب شواہد اور انٹیلی جنس کی روشنی میں اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ اس کمپاؤنڈ میں اسامہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ اندازہ لگانے کے لیے انہیں اڑتالیس گھنٹے دیئے گئے۔ اس حوالے سے تین مفروضے لائیٹر کی ٹیم نے پیش کیے۔ پہلا یہ کہ یہ کمپاؤنڈ اسامہ کے زیر استعمال تھا مگر اب وہ اس میں نہیں ہے، دوسرا یہ کہ اس میں القاعدہ کا اہم لیڈر موجود ہے مگر خود اسامہ نہیں ہے۔ تیسرا مفروضہ یہ کہ اس میں الکویتی موجود ہے جس نے القاعدہ کو کافی عرصہ پہلے چھوڑ دیا تھا اور اب کسی مجرم پیشہ گروہ کے لیے کام کر رہا ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق پہلا مفروضہ زیادہ قرین قیاس تھا۔ اس بات کا امکان کہ اس کمپاؤنڈ میں القاعدہ کا اسامہ کے بغیر کوئی اہم لیڈر موجود ہے، انتہائی کم تھے، کیونکہ القاعدہ کے نمبر دو قائد اور اسامہ کے بعد اہم ترین رہنما ایمن الظواہری کے پاکستان کے اس حصے میں موجودگی کے امکانات کم تھے، دوسری بات یہ کہ الکویتی کبھی بھی ظواہری کے زیادہ قریب نہیں رہا تھا۔ تیسری بات یہ کہ اس کمپاؤنڈ میں موجود بیویوں

اور بچوں کی تعداد بھی ظواہری کے بیوی بچیوں سے میچ نہیں کرتی تھی۔

اس حوالے سے بھر پور مغز ماری کے بعد اس نتیجے پر پہنچا گیا کہ چالیس فیصد امکان ہے کہ ایبٹ آباد کے اس کمپاؤنڈ میں اسامہ بن لادن موجود ہے۔ جبکہ سی آئی اے کے ایک اور تجزیہ کار کا خیال تھا کہ ساٹھ فیصد امکان ہے کہ اسامہ وہاں موجود ہے۔ تاہم جو مجموعی نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسامہ کی موجودگی کا مفروضہ سب سے زیادہ مضبوط ہے۔

27 اپریل کو جب ریڈ ٹیم بدھ کے روز اپنا کام مکمل کرنے کی تیاری کر رہی تھی، صدر اوبامہ کا برتھ سرٹیفکیٹ آن لائن جاری کیا گیا جس کے مطابق اوبامہ ہوائی میں پیدا ہوا تھا۔ یہ برتھ سرٹیفکیٹ اس الزام کے جواب میں جاری کیا گیا تھا کہ اوبامہ پیدائشی امریکی نہیں ہے۔ ٹھیک اسی دن جب یہ سرٹیفکیٹ جاری ہوا سیل ٹیم ورجینیا سے بگرام ائیر بیس افغانستان کے لیے اڑ چکی تھی۔

رابرٹ گیٹس جواب تک اس آپریشن کا مخالف تھا، مائیکل فلورنی اور مائیک وکرز نے پینٹا گان میں اس کے آفس میں اسے منانے کی آخری کوشش کی۔ لگ یوں رہا تھا کہ گیٹس قائل ہو رہا ہے مگر پرانے سیاستدان کے طور پر اسے معلوم تھا کہ اپنے پتے کس طرح کھیلنے ہیں۔

دنیا کے دوسرے حصے میں اس وقت سی آئی اے کے جاسوس ورجینیا میں موجود اپنے باسز کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ کویتی، اس کی بیوی مریم اور ان کے چاروں بچے، جو باہر سیر اور اپنے رشتہ داروں کو ملنے کے لیے گئے ہوئے تھے، تمام کے تمام واپس ایبٹ آباد کے کمپاؤنڈ میں پہنچ چکے ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو اس پر بھی سوال اٹھایا کہ اگر اسامہ واقعی اس کمپاؤنڈ میں موجود ہے تو وہ کیسے یہ خطرہ مول لے سکتا ہے کہ کویتی اپنے رشتہ داروں سے ملتا رہے؟

12۔ فیصلہ

اوبامہ کے برتھ سرٹیفکیٹ کے اجرا کے اگلے روز 28 اپریل کو جمعرات کے دن، لائٹر نے ریڈ ٹیم کے حاصلات کو صدر اور اس کی جنگی کابینہ کے سامنے پیش کیا۔ لائٹر نے بتایا کہ ریڈ ٹیم کی تحقیق میں کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی۔ مائیکل فلو مائے اور مائیک وکرز جیسے لوگ جو چھاپے کے حق میں تھے، ان کے خیالات میں ریڈ ٹیم کی رپورٹ سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وکرز نے رپورٹ کے بعد کہا کہ اس رپورٹ سے کوئی چیز تبدیل نہیں ہوئی اور یہ کہ 80 فیصد لوگوں کا خیال تھا کہ اسامہ وہاں موجود تھا۔ دوسری طرف ریڈ ٹیم نے بتایا کہ چالیس فیصد لوگوں کا خیال ہے کہ اسامہ ایبٹ آباد میں موجود ہے۔ اس بریفنگ کے موقع پر لائٹر نے براہ راست اوبامہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب صدر اگر چالیس فیصد بھی اسامہ کی کہیں موجودگی کا امکان ہے تو یہ امکان پچھلے دس سالوں میں سب سے زیادہ ہے۔

کچھ لوگوں کو چالیس فیصد کا یہ امکان بہت کم لگا، مثال کے طور پر جان برینن جو کہتے ہیں کہ قبل ازیں ہمیں پورا یقین تھا کہ ہم نے اسامہ کو ڈھونڈ لیا ہے لیکن جب صدر کی موجودگی میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ صرف چالیس فیصد امکان ہے کہ اسامہ وہاں ہوسکتا ہے تو ہمارے جذبوں پر جیسے اوس پڑ گئی۔

وہ لوگ جو اس آپریشن کی مخالفت کر رہے تھے، جیسے ڈیفنس سیکرٹری رابرٹ گیٹس، ان کے شکوک کے لیے ریڈ ٹیم کی رپورٹ مہر تصدیق ثابت ہوئی۔ اس رپورٹ کے بعد گیٹس نے کہا کہ میرے خیال میں ریڈ ٹیم کی رپورٹ معقول اور شاندار ہے۔ معقول اس لحاظ سے کہ یہ میرے اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ اسامہ ایبٹ آباد کمپاؤنڈ میں نہیں ہے۔

اس موقع پر سی آئی اے ڈائریکٹر لیان پینیٹا نے شدت سے اس بات پر زور دیا کہ تورابورا کے بعد سے پہلی بار ہم اسامہ بن لادن کے بارے میں بہترین شواہد رکھتے ہیں کہ وہ یہاں ہے، اور ہمیں اس انٹیلی جینس کی بنیاد پر لازماً کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ پینیٹا نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ مزید جاسوسی کے بعد ہمارے پاس بہتر معلومات ہوں مگر اس وقت تک ہمیں جو معلومات حاصل ہیں وہ اس کمپاؤنڈ کی نیچر کو سامنے رکھیں تو کافی محسوس ہوتی ہیں۔ یہاں سے واپس جانے کا کوئی مطلب نہیں، ہمارے پاس جو معلومات موجود ہیں وہ تقاضا کرتی ہیں کہ ہم کوئی نہ کوئی قدم اٹھائیں اور امریکی عوام بھی ہم سے یہی توقع رکھتے ہیں۔

لائٹر کو یہ بھی کام سونپا گیا کہ وہ اس آپریشن کے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اثرات کا تخمینہ لگائے۔ بین الاقوامی سطح پر جو بدترین نتیجہ سامنے آ سکتا تھا وہ پاکستان میں امریکہ کے بڑے سفارت خانوں میں سے ایک پر حملے کہ صورت میں ہوسکتا تھا، ہو سکتا ہے کہ مظاہرین اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے پر چڑھ دوڑیں اور سکیورٹی ادارے انہیں روکنے کا تردد ہی نہ کریں جیسا کہ 1979 میں پہلے بھی اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے کے ساتھ ہو چکا تھا جب مشتعل ہجوم نے امریکی سفارت خانے کو آگ لگا دی تھی۔ لائٹر نے اس بریفنگ میں اندرونی دہشت گرد حملوں کے خطرے کے حوالے سے بھی اس میٹنگ میں موجود ہر شخص کو تفصیل سے بتایا جو اسامہ کی ہلاکت

کی خبر سن کر دہشت گردانہ حملے کر سکتے تھے۔

اس اجلاس میں اباما نے ہر شخص کو دل کھول کر بولنے کا موقع دیا۔ اجلاس کے اختتام کے قریب اباما نے ہر شخص سے فرداً فرداً پوچھا کہ اس کی رائے کیا ہے؟ نائب صدر جو بائیڈن کو اس ممکنہ آپریشن کے نتیجے میں پاکستانی فورسز کے ساتھ جھڑپ یا اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے پر حملے کا جو خطرہ تھا، اس پر تفتیش تھی۔ انہوں نے اس اجلاس میں رائے دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپریشن کرنا ہے تو ہمیں اسامہ کی وہاں موجودگی کے حوالے سے یقین کا زیادہ بلند درجہ درکار ہوگا۔ انہوں نے نصیحت آمیز انداز میں کہا کہ پاکستان کے ساتھ تعلقات اور اس کی اہمیت کے ذہن میں رکھیں تو میرا خیال ہے کہ ہمیں اس پر مزید غور وفکر کرنا چاہیے۔ بائیڈن نے کہا کہ اس کے علاوہ اس میٹنگ میں ایک بھی ماہر معاشیات نہیں بیٹھا جو ہمیں اس حوالے سے بریف کرتا۔ اس لیے میری رائے ہے کہ یہ آپریشن نہ کیا جائے۔

رابرٹ گیٹس کی طرف سے بھی تمام اجلاس کی کارروائی کے دوران آپریشن ایگل کلا اور بلیک ہاک ڈاؤن کے حادثات کی مثالیں دے کر اس آپریشن کی مخالفت کی گئی۔ بائیڈن اور گیٹس کا موقف یہ تھا کہ ایبٹ آباد پر چھاپہ مارا تو اس سے پاک امریکہ تعلقات میں ایک مستقل رخنہ پیدا ہو جائے گا جو ان ایک لاکھ فوجیوں کو اشیا کی رسد میں رکاوٹ بن سکتا ہے جو اس وقت افغانستان میں موجود ہیں۔ اس چھاپے کے نتیجے میں ان ڈرون حملوں کو بھی بند ہونا پڑے گا جو پاکستان کے ائیر بیسز سے ہو رہے تھے اور جن کی کامیاب کارروائیوں کی وجہ سے القاعدہ کے کئی اہم لوگوں کو قبائلی علاقوں میں ختم کیا جا چکا ہے۔

جو بائیڈن اور رابرٹ گیٹس کی مخالفت کے باوجود اباما کے پانچ سینئر ترین اہلکاروں میں سے تین نے آپریشن کے حق میں ووٹ دیا۔ اوباما کے فوجی مشیر ایڈمرل

مائک مولن نے اس موقع پر جو پریزنٹیشن دی، اس سے قبل کبھی ان کی طرف سے ایسی متاثر کن پریزنٹیشن نہیں دی گئی تھی۔ بارہ کے قریب سلائیڈز کی مدد سے مولن نے آپریشن کی منصوبے کی تمام تفاصیل اوبامہ کے سامنے پیش کیں۔ مولن نے کہا کہ آپریشن کی ریہرسل میں نے خود دیکھی ہے اور مجھے یقین ہے کہ مکریون کی سیل ٹیم یہ کام کرسکتی ہے۔

ہیلری کلنٹن نے بھی اس موقع پر ایک تفصیلی پریزنٹیشن دی جس میں آپریشن کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ہیلری نے کہا کہ یہ اگرچہ ایک خطرناک مہم جوئی ہے مگر میرا خیال ہے کہ ہمیں آپریشن کے لیے جانا چاہیے۔

جب لائٹر کی باری آئی تو اس نے کہا کہ مسٹر صدر میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ابھی مزید انٹیلی جنس جمع کی جانی چاہیے مگر جو ٹیم اس وقت انٹیلی جنس جمع کرنے پر مامور ہے مجھے اس کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ مزید معلومات خطرہ مول لیے بغیر جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس موقع پر لائٹر نے ڈرون حملے کے آپشن کی بھی تائید کی کیونکہ اس سے سیاسی مضمرات کم سے کم ہوں گے۔

لیان پینیٹا جو نو بار سینیٹر رہ چکا تھا اس نے اس آپریشن کے سیاسی مضمرات کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے آپریشن کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ اوسط امریکی کے سامنے بھی اگر یہ معلومات رکھی جائیں تو وہ آپریشن کے حق میں ہوگا۔ اوبامہ کے کاؤنٹر ٹیررزم کے مشیر جان برینن نے بھی آپریشن کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ سی آئی اے کے جو اہلکار اسامہ کے حوالے سے انٹیلی جنس معلومات جمع کر رہے ہیں وہ دس سال سے اس مشن پر کام کر رہے ہیں، یہ ان کی زندگی بھر کی کمائی ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ اسامہ ایبٹ آباد کے اس کمپاؤنڈ میں موجود ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے اس بات کا سو فیصد یقین نہ سہی لیکن میرا خیال ہے کہ اسامہ وہاں موجود ہے۔

ڈپٹی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر ڈینس مکڈونو اور اس کے باس ٹام ڈونیلن بھی آپریشن کے حق میں تھے۔ بن روڈز، مائیکل فلومائے، ٹونی بلنکن، مائیک وکرز، رابرٹ کارڈیلو اور نک راسموسن بھی آپریشن کے حق میں تھے۔ نیشنل انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جم کلیپر نے اس موقع پر کہا کہ اگرچہ یہ آپشن خطرات سے پر ہے مگر ہم یہ کر سکتے ہیں۔

اباما نے اپنے تمام سینئیر اہلکاروں کی تجاویز کو غور سے سنا مگر اپنے خیالات ظاہر نہ کیے۔ میٹنگ شام سات بجے اختتام پذیر ہوئی تو اسامہ نے اعلان کیا کہ دونوں طرف سے دلائل موجود ہیں اور میں اس پر فیصلہ دینے سے قبل غور کروں گا۔ میں اپنا فیصلہ کل صبح سناؤں گا۔ اباما بخوبی اس بات سے آگاہ تھے کہ اس فیصلے کا بوجھ ان پر پڑنا ہے اور تمام زندگی کے لیے یہ بوجھ ان کے ساتھ رہے گا۔ اس فیصلے کے حق میں جانا کہ آپریشن کیا جائے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اپنے لوگوں کو خطرے کے منہ میں دھکیلنا...... آپریشن کے دوران کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اباما کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا کہ اگر آپریشن کے ساتھ کچھ غلط ہوتا ہے تو کیا اس صورت میں اپنے لوگوں کو میں واپس لا سکوں گا۔ دوسری تشویش جو اباما کو لاحق تھی وہ یہ کہ یہ لوگ رات کے اندھیرے میں آپریشن کرنے جا رہے تھے اور انہیں یہ تک معلوم نہ تھا کہ انہیں وہاں کیا ملے گا۔ ڈرون حملے کا آپشن صدر اباما نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ آپریشن کے صورت میں ہم مذکورہ ملک کو یہ تو بتا سکتے ہیں کہ ہم اسامہ کی تلاش میں گئے تھے جبکہ ایسے ہی کسی کمپاؤنڈ پر میزائل داغ دینا، ایسا عمل ہوگا جس کی کوئی توجیہ نہیں ہوگی۔ دوسری طرف اباما کو انٹیلی جنس معلومات کے حوالے سے تو شکوک تھے مگر میکریون اور اس کی سیل ٹیم پر اسے سو فیصد بھروسا تھا۔

29 اپریل صبح آٹھ بجکر بیس منٹ پر وائٹ ہاؤس کے استقبالیہ میں اوبامہ نے ڈونیلن، مکڈونو، برینن اور چیف آف سٹاف بل ڈیلی کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ

کوئی نئی پیش رفت ہے؟ اور یہ کہ کیا آپریشن کا حق میں ان کا ووٹ ابھی تک موجود ہے؟ان لوگوں نے جب ہاں میں جواب دیا تو اوبامہ نے اپنے سینئیر ترین مشیروں کے رائے کے برعکس آپریشن کی اجازت دے دی۔

ٹھیک اس وقت جب ڈونیلن ایبٹ آباد اپریشن کی اجازت کے آفیشل مسودے پر سائن کرر ہا تھا، پشاور میں امریکی قونصلیٹ کے عملے کو خالی کرایا جار ہا تھا۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ قونصلیٹ کے عملے کو اغوا کی دھمکیاں مل رہی ہیں جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اپریشن ایبٹ آباد کے پس منظر میں انہیں وہاں سے ہٹایا جار ہا تھا۔

بگرام ائیر بیس افغانستان میں موجود میکریون نے ہفتے کی دوپہر کو 12 منٹ کی فون کال کے ذریعے بتایا کہ وہ آپریشن کے لیے تیار ہے۔ اوبامہ نے فون کال کے اختتام پر کہا کہ مجھے جتنا اعتماد تم پر اور تمھاری ٹیم پر ہے، اتنے اعتماد کا اظہار میں نے کبھی کسی پر نہیں کیا اور یہ کہ اپنی ٹیم کے ہر فرد کو میری طرف سے شکریہ کہہ دینا۔ اور یہ بھی بتا دینا کہ اس آپریشن کے ہر حصے کو میں خود دیکھ رہا ہوں۔

آپریشن نیپچون سپئیر شروع ہو چکا تھا۔

13۔ روشنی نہ جلانا

ٹھیک آدھی رات کے بعد بن لادن کمپاؤنڈ کے رہائشی دھماکوں کی آواز سے ہر بڑا کر اٹھ بیٹھے۔ اسامہ کی بیس سالہ بیٹی مریم بھاگتی ہوئی اوپری منزل پر اپنے باپ کے بیڈ روم میں پہنچی اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسامہ نے اسے واپس نیچے جانے اور سونے کا کہا۔ اس کے بعد اسامہ نے اپنی بیوی امل سے کہا کہ گھر کی روشنیاں نہ جلانا۔ کسی شخص نے ارد گرد کی بجلی منقطع کر دی جس کا SEAL ٹیم کو بہت فائدہ ہوا۔ گھر کی روشنیاں نہ جلانا غالباً اسامہ کا آخری فقرہ تھا جو اس نے کہا۔

چھ گھنٹے قبل مقامی وقت صبح آٹھ بجے، یکم مئی کو اوبامہ کی نیشنل سکیورٹی کا عملہ وائٹ ہاؤس پہنچنا شروع ہو گیا۔ ڈپٹی نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر ڈینس کڈونو اپنے دوست مائیک لیٹر کی شادی پر گئے ہوئے تھے۔ لیٹر جس نے اپنا ہنی مون پہلے ہی منسوخ کر دیا تھا نے اپنی نویلی دلہن کو رات کے پچھلے پہر بتایا کہ اسے وائٹ ہاؤس جانا ہے جہاں ایک اہم میٹنگ ہونے والی ہے، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ شاید میں جلدی نہ آسکوں، تمھیں یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں مگر بعد میں تمھیں پتہ چل جائے گا۔ لیان پینیٹا اس صبح جلدی جاگا۔ صبح شیو کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اگلی دفعہ میں جب شیو کے لیے یہ شیشہ دیکھ رہا ہوں گا تو اس وقت تک ہم کوئی بڑی کامیابی حاصل کر چکے ہوں گے یا

پھر میں بہت سے لوگوں کو وضاحتیں کرتا پھر رہا ہوں گا۔ امریکہ کا سکیورٹی کا تمام عملہ ایسا ظاہر کر رہا تھا جیسے سب کچھ معمول کے مطابق ہے۔ حسب عادت پینیٹا جو پکا کیتھولک ہے وہ اتوار کی صبح کی عبادت میں شریک ہوا۔ پونے دس بجے حسب عادت اوبامہ بھی گولف کھیلنے گئے مگر تھوڑی دیر بعد ہی واپس آ گئے، دس بجے ڈپٹیز کی میٹنگ شروع ہوگئی تمام لوگ اپنے اپنے شعبے سے متعلق معلومات کا پورا پلندہ لیے اجلاس میں موجود تھے تاکہ آپریشن نیپچون سپیئر سے متعلق اٹھنے والے کسی بھی سوال کا جواب دیا جا سکے۔

دوپہر کے قریب اوبامہ کی کابینہ کے مرکزی ارکان وائٹ ہاؤس پہنچنا شروع ہو گئے۔ پریس کی توجہ سے بچنے کے لیے کچھ وزرا بشمول ہیلری کلنٹن کی گاڑیاں اس جگہ پارک نہ کی گئیں جہاں معمول کے مطابق پارک ہوتی تھیں۔ وائٹ ہاؤس کو اس دن عوامی دوروں کے لیے بند کر دیا گیا تاکہ سیاح غیر معمولی پیش رفت کو نہ دیکھ سکیں۔

سچویشن روم میں وائٹ ہاؤس کی نیشنل سکیورٹی ٹیم نے محفوظ کمیونیکیشن قائم کر دیا تھا جو براہ راست ایڈمرل مک ریون سے جڑا تھا جو اس وقت مشرقی افغانستان کے شہر جلال آباد میں تھا۔ سٹنگ روم کو سی آئی کے صدر دفتر میں پینیٹا کے دفتر اور آپریشن سنٹر پینٹاگون سے بھی جوڑ دیا گیا جہاں جنرل کارٹ رائٹ انٹیلی جنس کی مانیٹرنگ کر رہا تھا جو فیلڈ سے آ رہی تھیں۔ کارٹ کے پاس تیس افسروں کی ایک ہنگامی ٹیم بھی موجود تھی جو کسی ایمرجنسی کی صورت میں استعمال ہو سکتی تھی۔

کارٹ رائٹ کی ٹیم نے جو آپریشنل ڈھانچہ ترتیب دیا اس میں ہر صورت حال کی گنجائش رکھی گئی، کسی ہیلی کاپٹر کے گرنے کی صورت میں، اسامہ کے زندہ، مردہ یا زخمی حالت میں پکڑے جانے یا اس کمپاؤنڈ میں اسامہ کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کی صورت میں نمٹنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ کارٹ رائٹ کو جس چیز کی سب سے زیادہ تشویش تھی وہ یہ تھی کہ پاکستان کی سب سے بڑی ملٹری اکیڈیمی کمپاؤنڈ سے ایک میل

سے بھی کم فاصلے پر موجود تھی۔ ہوسکتا تھا کہ پاکستانی فوجیوں کی بڑی تعداد رات کو جاگ رہی ہو اور آپریشن کے حوالے سے ہر بڑا جائے؟ اس صورت میں پاکستانی افواج کے ساتھ بھی فائرنگ کا تبادلہ ہوسکتا تھا۔ یہ خطرناک صورت حال ہوتی، اگر پاکستانی افواج اچانک طاقت کے مظاہرے پر تل جاتیں تو سیل دستے کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ فائرنگ کے تبادلے سے بچنے کی کوشش کرتی اور کمپاؤنڈ میں جم کر بیٹھ جاتی تاکہ امریکی فوجی حکام ان کی محفوظ واپسی کی راہ ہموار کرنے کے لیے گفت وشنید کر سکتے۔ لیکن سیل کے پاس خود بھی اتنی فائر پاور اور شنوک پر کوئک ری ایکشن فورس کا بیک اپ تھا کہ اگر ان پر بن آتی تو وہ خود بھی لڑ سکتے تھے۔

دن ایک بجے جب پاکستان میں رات کا اندھیرا چھا چکا تھا اوبامہ کی جنگی کابینہ سٹنگ روم میں بیٹھ چکی تھی۔ ورجینیا میں پینیٹا سی آئی اے کے صدر دفتر میں کشادہ سے کانفرنس روم میں بیٹھ چکا تھا۔ اس کمرے کو اس وقت کے لیے کمانڈ سنٹر میں بدل دیا گیا تھا، دیواروں پر ہر جگہ نقشے تھے، دو بڑی سکرینیں جن میں سے ایک سچویشن روم اور دوسری جلال آباد میں مکریون کے دفتر سے براہ راست نشریات دکھا رہی تھیں فعال ہو چکی تھیں اور آپریشن کی مانیٹرنگ کرنے والے کمپیوٹر موجود تھے۔

پینیٹا نے سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر مائیکل مورل سے پوچھا:

''تمھارا کیا خیال ہے''

مورل نے جواب دیا:

''مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی اگر اسامہ وہاں مل جاتا ہے، اور اگر نہیں ملتا تو پھر بھی مجھے حیرت نہ ہوگی''

پینیٹا نے کہا:

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں ایڈمرل اولسن جو اس خصوصی آپریشن کے مجموعی انچارج تھے وہ بھی اس کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سی آئی اے ڈائریکٹر کو مکریون سے جو بھی معلومات موصول ہو رہی تھیں ان کی بابت وہ وائٹ ہاؤس کو فوراً مطلع کرتا جا رہا تھا۔ پینیٹا اس آپریشن کا برائے نام کنٹرولر تھا تا کہ یہ خفیہ آپریشن ہی رکھا جا سکتا تا کہ اسامہ کے نہ ملنے کی صورت میں وائٹ ہاؤس اس آپریشن سے مکر سکتا اور پاکستانی بھی اس کا کھوج نہ لگا سکتے۔ اس آپریشن کا حقیقی کنٹرولر مکریون تھا۔ دوپہر ایک بج کر بیس منٹ پر پینیٹا نے مکریون کو حکم دیا کہ آپریشن شروع کیا جائے، پینیٹا کے الفاظ تھے:

''وہاں جاؤ اور بن لادن کو حاصل کرو، اور اگر اسامہ وہاں نہیں ہے تو فوراً وہاں سے نکل جاؤ''

دو بجے کے قریب اوباما گولف کھیل کر واپس آیا اور سیدھا سٹنگ روم پہنچا اور آپریشن نیپچوں سپیر کے پیش رفت سے متعلق اپنی سکیورٹی ٹیم سے میٹنگ کی۔ دو بج کر پانچ منٹ پر پینیٹا نے آپریشن پر ایک اور نظر ثانی کی۔

ایبٹ آباد میں اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے، اسامہ کے گھر کے تمام افراد سو چکے تھے۔ جبکہ اس وقت جلال آباد میں ساڑھے دس کا وقت تھا جہاں 23 افراد اور ایک ترجمان کے ساتھ امریکی نیوی کی سیل ٹیم بلیک ہاک چاپر پر بیٹھنے کی تیاری کر رہی تھی۔ ان ہیلی کاپٹروں کو انہیں 150 میل مشرق کی طرف لے کر اڑنا تھا، تمام لوگوں کے پاس اسامہ اور اسامہ کے گھر والوں کی تصویری کارڈ موجود تھے۔ مشن میں کائرو نامی جنگی کتا بھی شامل تھا جس نے سیل ٹیم کے باقی ممبران کی طرح پوری وردی پہن رکھی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد دو بلیک ہاکس جلال آباد ائیر فیلڈ سے اڑے، پندرہ منٹوں میں ان ہیلی کاپٹروں کو افغان بارڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہونا تھا۔ ایم ایچ 60 چاپرز کی ساخت میں اس طرح تبدیلیاں لائی گئی تھیں کہ پاکستانی ریڈار ان کا کھوج نہ لگا

سکیں۔ پاکستانی ریڈار اس وقت حالت امن میں ہونے کی وجہ سے زیادہ حساس نہیں تھے، اس کے برعکس پاکستانی ریڈار بھارتی سرحد کی طرف ہمیشہ ہائی الرٹ حالت میں ہوتے ہیں۔ ایم ایچ 60 کو اس طرح پینٹ کیا گیا تھا اور وہ کم درجہ حرارت کا سگنل دے رہے تھے تاکہ وہ پاکستانی ریڈاروں سے بچ سکیں، اس کے علاوہ ان جہازوں کو بہت کم بلندی پر اڑنا تھا، زمین سے تقریباً چند فٹ اوپر، رستے میں درختوں اور پہاڑیوں سے بچتے بچاتے...... تاکہ ریڈار کی پکڑ میں نہ آ سکیں۔ پاکستانی بارڈر میں داخل ہونے کے بعد ہیلی کاپٹروں کا رخ پشاور سے شمال کی طرف ہو گیا۔ اس آپریشن کا مجموعی وقت ڈیڑھ گھنٹہ طے کیا گیا تھا۔

آپریشن کو اس قدر صیغہ راز میں رکھا گیا تھا کہ افغانستان میں موجود 150000 امریکی اور نیٹو افواج میں سے صرف ایک شخص، جو ان کا مجموعی کمانڈر تھا، جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کو اس کے بارے میں صرف تین دن قبل بتایا گیا تھا۔ افغانستان میں خصوصی امریکی دستے اس طرح کے آپریشن روٹین میں کرتے تھے جن کا مقصد ٹارگٹ کو پکڑنا یا انہیں قتل کرنا ہوتا تھا مگر یہ آپریشن اس لحاظ سے مختلف تھا کہ ایک تو اس کا ہدف بڑا تھا اور دوسرا یہ ایک ایسے ملک میں جا کر کیا جا رہا تھا جو اگرچہ امریکہ کا اتحادی تھا مگر اس بارے میں اسے کچھ بھی نہ بتایا گیا۔

آدھی رات کے بعد ڈیوڈ پیٹریاس چہل قدمی کرتا ہوا نیٹو کے آپریشن سنٹر میں پہنچا اور ایک افسر کو چھوڑ کر باقی سب کو وہاں سے چلے جانے کا کہا۔ اس کے بعد اس نے کمپیوٹر پر کلاسیفائیڈ چیٹ روم کھولا اور آپریشن کی نگرانی کرنے لگا۔ اگر ضرورت پڑتی تو پیٹریاس تیار تھا کہ اگر ان ہیلی کاپٹروں کو جواب پاکستانی سرحد میں داخل ہو چکے تھے، ان کو روکنے یا پاکستانی فضائیہ کی طرف سے ان پر حملے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ ان کو جواب دے سکتا۔

جب دونوں بلیک ہاکس پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہو گئے، تو اس وقت بس سائز کے تین شینوک ہیلی کاپٹر جلال آباد ائیر فیلڈ سے روانہ ہوئے۔ جب یہ شینوک افغان پاکستان سرحد پر پہنچے تو ان میں سے دو سوات کے کم آبادی والے علاقے کالا ڈھاکہ جہاں نہ طالبان کی عملداری تھی نہ پاکستانی حکومت کی اور جو ایبٹ آباد سے شمال مغرب میں بچاس میل کی دوری پر تھے وہاں اترے۔ ان شینوک ہیلی کاپٹروں پر دو درجن سیل کے آدمی تھے تاکہ اگر اسامہ کے کمپاؤنڈ پر حملے کی صورت میں کوئی سنجیدہ مزاحمت ہوتی ہے تو ان کی مدد کی جا سکے۔ اس کے علاوہ ان ہیلی کاپٹروں پر وہ اضافی فیول بھی تھا جس کی بلیک ہاکس کو افغانستان واپسی کے سفر میں ضرورت پڑ سکتی تھی۔

وائٹ ہاؤس سے ملحقہ کانفرنس روم میں درجن بھر سینئیر حکام جمع تھے اور کچھ درجن وہاں کا عملہ بھی موجود تھا۔ اس جگہ محفوظ فون اور ویڈیو کمیونیکیشن کی سہولت موجود تھی۔ مگر کمرے میں صرف ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر سات لوگ آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔ اس کمرے میں جنرل مارشل بی بریڈ ویب موجود تھے جو جے ایس او سی (جے ساک) کے ڈپٹی کمانڈر تھے اور ٹھیک آپریشن کے وقت کے نگران تھے، لیپ ٹاپ کے ساتھ موجود تھے۔ ان کے ہمراہ دیگر افسران بھی تھے۔ ویڈیو مانیٹرز پر ایبٹ آباد سے دو میل اوپر اڑ رہے ڈرون سے براہ راست نشریات آ رہی تھیں۔

نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر ٹام ڈونیلن چھوٹے سے کانفرنس روم میں آئے اور پوچھا کہ افسر کیا کر رہے ہیں۔ افسروں نے بتایا کہ وہ تمام ساز و سامان کی بجلی منقطع کر رہے ہیں اور مرکزی سچویشن روم میں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ڈونیلن نے کہا کہ نہیں تم لوگ نہیں جا رہے، میں نہیں چاہتا کہ تم یہ کرو، ڈونیلن نہیں چاہتا تھا کہ ان تک یہ تاثر پہنچے کہ صدر اس آپریشن کو خود دیکھ رہے ہیں۔ ڈونیلن نے ان افسروں سے کہا کہ وہ اسی کمرے تک محدود رہیں۔

اگلے کمرے یعنی مرکزی سچویشن روم میں یہ بحث چل رہی تھی کہ آیا صدر کو سب کچھ براہ راست دیکھنا چاہیے کہ نہیں۔ لائیٹر کہتے ہیں کہ وائٹ ہاؤس میں جاری اور طول پکڑتی اس بحث سے تنگ آ کر میں نے کہا میں تو جا رہا ہوں، میں یہ ساری کارروائی خود دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد لائیٹر اس کمرے میں چلا گیا جہاں ڈرون سے براہ راست نشریات نشر ہو رہی تھی۔ اس کے بعد ایک ایک دو دو کر کے آہستہ آہستہ اوبامہ کابینہ کے تمام ارکان اس کمرے میں آنے لگے۔ پہلے نائب صدر جو بائیڈن اندر آئے، پھر رابرٹ گیٹس اور ہیلری کلنٹن اور پھر پورا کمرہ ہی لوگوں سے بھر گیا۔ اوبامہ کے تمام خفیہ اور کاؤنٹر ٹیررزم کے اعلیٰ اہلکار کمرے میں بھر گئے، کچھ دروازے میں کھڑے سکرین کو تاڑنے کی کوشش میں تھے۔

صدر کے اس کارروائی کو دیکھنے یا نہ دیکھنے کی بحث اس وقت ختم ہو گئی جب اوبامہ خود کمرے میں آ پہنچے اور کہا کہ مجھے یہ سب دیکھنا ہے اور لوگوں سے بھرے کمرے میں ایک کونے میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ سی آئی اے اور پینٹاگون کے درجنوں اہلکار بھی یہ سب دیکھ رہے تھے۔

افغانستان سے ایبٹ آباد جانے والے بلیک ہاکس کی نقل و حمل کی لمحہ بہ لمحہ خبریں کمرے میں موجود لوگوں کو دی جا رہی تھیں۔

بلیک ہاکس ایبٹ آباد پہنچنے والے تھے۔ جب یہ ہیلی کاپٹر اپنی منزل پر پہنچ گئے تو احتیاط سے بنایا گیا منصوبہ بند آپریشن شروع ہو گیا۔ جیسے ہی پہلا چاپر کمپاؤنڈ میں اترنے لگا تو کم بلندی کی وجہ سے اپنا توازن کھو بیٹھا اور پائلٹ کو جہاز گرانا پڑ گیا، سمجھداری یہ کی گئی کہ جہاز کو کسی چیز سے ٹکرانے کی بجائے اس کی چونچ کو زمین میں گھسا دیا گیا جس کی وجہ سے کمانڈوز زیادہ زخمی نہ ہوئے اور جوں ہی ان کے حواس بحال ہوئے وہ گرے ہوئے جہاز سے باہر آ گئے۔

منصوبہ یہ تھا کہ دونوں بلیک ہاکس نے کمانڈو کمپاؤنڈ کے اندر اتارے جاتے تھے۔ اور دور جا کر ہوا میں تھوڑی دیر لہراتے اور جوں ہی مشن کے اختتام پر کمانڈوز اشارہ کرتے وہ دوبارہ کمانڈوز کو ساتھ لے کر واپس چلا جاتا۔ امید یہ تھی کہ مقامی لوگ اس کو سمجھیں گے کہ پاکستان کی ملٹری کے ہیلی کاپٹر ہیں جو اکیڈیمی کے دورے پر آئے ہیں۔ مگر اب جبکہ ایک ہیلی کاپٹر گر چکا تھا تو اس بات کو میڈیا سے چھپانا اور اس کا انکار کرنا ناممکن تھا اور حیرت کا پہلو بھی ختم ہو چکا تھا۔

اوبامہ ڈرون سے نشر ہو رہی نشریات میں دیکھ رہا تھا کہ ایک ہیلی کاپٹر گر چکا ہے اور اس کے بعد دوسرا ہیلی کاپٹر بغیر سیل کے کمانڈو اتارے اور کمپاؤنڈ کے اوپر لہرانے کے اچانک ہی منظر سے غائب ہو گیا۔ اوبامہ کہتے ہیں:

''ہمیں صاف نظر آ رہا تھا کہ پہلے ہیلی کاپٹر کی لینڈنگ میں پرابلم آیا تھا، کمرے میں موجود تمام لوگ اپنی سانسیں روک کر بیٹھے ہوئے تھے، سب ویسا نہیں ہو رہا تھا جیسا ہم نے منصوبہ بنایا تھا'' ہیلری کلنٹن کہتی ہیں کہ ایسا لگتا تھا کہ ہم ہالی ووڈ کی کوئی ایکشن مووی دیکھ رہے ہیں۔

اسی وقت ایڈمرل مکریون کی آواز ابھری اور لہجے میں کوئی تبدیلی کے بغیر پینیٹا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا:

''ڈائریکٹر، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا ایک ہیلی کاپٹر گر چکا ہے، اس لیے مشن میں ترمیم کی جا رہی ہے، میرے جوان اس ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں اور سیکنڈوں میں وہ ایسا کر لیں گے۔'' میکریون ویڈیو نشریات میں دیکھ رہا تھا کہ گرے ہوئے ہیلی کاپٹر میں سے اس کے لوگ صحیح سلامت باہر نکل آئے تھے۔ اس کے بعد اضافی شینوکس کو ایبٹ آباد بھیجنے کا حکم دیا گیا۔

گرے ہوئے بلیک ہاک ہیلی کاپٹر سے سیل ٹیم کے ارکان نکلے اور مرکزی کمپاؤنڈ

سے ملحق اس عمارت کے اندر داخل ہوئے جہاں کویتی رہتا تھا۔ کویتی نے ایک دروازے سے جھانک کر باہر صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی تو اسی وقت بے آواز گولیاں اس کی گردن اور ٹھوڑی میں پیوست ہوگئیں۔ کویتی کی بیوی کو بھی گولی لگی۔

دوسرے بلیک ہاک نے جب دیکھا کہ پہلا طیارہ گر چکا ہے تو اس نے پلان اے کو منسوخ کر دیا۔ پلان اے یہ تھا کہ یہ بلیک ہاک طیارہ اسامہ کے کمرے کے اوپر ہوا میں معلق رہے گا اور سیل ٹیم کے ارکان رسیوں کے ذریعے کود کر نیچے جائیں گے اور اسامہ کو اچانک جالیں گے۔ اب پائلٹ نے پلان بی کے تحت طیارے کو قریبی کھیت میں محفوظ انداز میں اتار دیا۔ سیل ٹیم کے جوان جلدی سے جہاز سے اترے، کتا کائرو بھی ان کے ہمراہ تھا جس کا کام دھماکہ خیز مواد کو تلاش کرنا تھا۔

اوپر کے کمرے میں موجود اسامہ اپنے سکیورٹی انتظامات کا شکار ہو چکا تھا۔ تنگ اور اونچی کھڑکیوں کا مقصد تو یہ تھا کہ کوئی کمرے کے اندر موجود لوگوں کو نہ دیکھ سکے مگر اب حالت یہ تھی کہ اسامہ خود نہیں دیکھ سکتا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ اسامہ خاموشی سے پندرہ منٹ انتظار کرتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فالج زدہ کیفیت میں تھا۔ بالکل سیاہ رات اور بجلی کے نہ ہونے نے اس کے کنفیوژن میں مزید اضافہ کر دیا۔ اسامہ نے بچنے کا کوئی ٹھوس منصوبہ نہیں بنا رکھا تھا، اس کے پاس چند یورو اور جیب میں دو فون نمبرز تھے، جو یقیناً اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

سیل ٹیم کویتی کی ایک منزلہ عمارت سے ہوتے ہوئے مرکزی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ گراؤنڈ فلور پر انہیں کویتی کا بھائی ابرار نظر آیا جسے گولی مار دی گئی۔ ابرار کی بیوی خدیجہ بھی گولی لگنے سے موقع پر ہی جاں بحق ہوگئی۔ یہ دونوں غیر مسلح تھے۔ وائٹ ہاؤس میں موجود لوگوں کو اندر کی کارروائی کا کوئی اندازہ نہیں تھا کیونکہ اوپر موجود ڈرون کے ذریعے وہ صرف کمپاؤنڈ کے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔

دوسرے فلور پر سیل ٹیم پہنچی تو سیڑھیوں پر اسامہ کا بیٹا خالد ملا جو غیر مسلح تھا، اسے بھی گولی ماردی گئی۔ باقی بچے جو چھوٹے تھے انہیں دوسرے فلور پر جمع کر دیا گیا۔

اسامہ کے پاس کمرے میں ایک پسٹل اور کلاشنکوف موجود تھی مگر وہ اسے استعمال نہ کرسکا۔ اسامہ کے کمرے تک رسائی کا ایک ہی راستہ تھا۔ دھاتی دروازہ جسے صرف اندر سے کھولا جا سکتا تھا۔ اسامہ نے وہ دروازکھول کر باہر جھانکا اور پھر واپس چلا گیا، مگر یہاں اس سے یہ مہلک غلطی سرزد ہوئی کہ اس نے دروازے کو اندر سے بند نہ کیا۔ سیل ٹیم نے اسامہ کو جھانکتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس وقت سوا اس کے کہ اسامہ ہاتھ کھڑے کر کے باہر آتا اور کہتا کہ میں ہتھیار ڈالتا ہوں، اس کے بچنے کی اور کوئی راہ نہ تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور سیل ٹیم کے افراد کو اندر گھسنے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا۔

باہر اجنبیوں کی آوازیں سن کر امل نے عربی زبان میں چیختے ہوئے خود کو اسامہ کے سامنے کر لیا۔ پہلا سیل ممبر جو اندر داخل ہوا اس نے امل کو اس خیال سے ایک طرف دھکا دے دیا کہ کہیں اس نے کوئی خودکش جیکٹ نہ پہن رکھی ہو۔ اسامہ کوئی مزاحمت نہیں کر رہا تھا، سیل ممبر نے دو گولیاں چلائیں جو اسامہ کے سینے اور آنکھ میں لگیں۔ اندر کا منظر انتہائی دہشت ناک تھا، اسامہ کا دماغ باہر نکلا پڑا تھا اور آنکھ کا ڈھیلا بھی باہر پڑا تھا۔ جب کہ پورے کمرے میں اسامہ کو خون بکھرا ہوا تھا۔

54 سالہ القاعدہ لیڈر شاید دس سال کے فرار اور روپوشی سے تھک چکا تھا، اس نے بچنے کا کوئی بھی راستہ نہیں رکھا تھا۔ اس کے گھر میں کوئی خفیہ راستہ تک نہ تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ اس طرح کے حملے کی کوئی وارننگ اسے ملے گی، مگر کوئی وارننگ نہ آئی۔ یا اسے معلوم تھا کہ اگر جنگ اس کے گھر تک پہنچ گئی تو اس کی بیویوں اور کچھ بچوں کی جان ضرور لے کر جائے گی۔

سیل ٹیم کے اس آپریشن میں چار بالغ افراد اور ایک عورت ہلاک ہوئے، جبکہ دو

عورتوں کو بھی گولی لگی۔ پندرہ منٹ کی اس فائرنگ میں کل سات لوگوں کو گولیاں لگیں جس میں اسامہ کے بچے خالد، مریم اور سمیہ شامل تھیں۔

مکریون نے ریڈیو پر سیل ٹیم کا پیغام سنا' گیرونیمو'۔اس آپریشن کے ہر مرحلے کے لیے کوڈ ورڈز تیار کیے گئے تھے۔ کوڈ ورڈز میں ہی کریون نے پوچھا کہ کیا دشمن مارا گیا۔ جواب ہاں میں تھا۔ فوراً ہی مکریون نے وائٹ ہاؤس کو یہ پیغام جاری کر دیا۔

وائٹ ہاؤس کے سچویشن روم میں کچھ زیادہ جذبات کا اظہار نہ کیا گیا۔ صدر نے دھیمے انداز میں کہا 'We Got Him, We Got Him'

پاکستان میں اس وقت نصف شب تھی۔ سیل ٹیم کا اگلا مشن باہر گرے ہیلی کاپٹر کو تباہ کرنا تھا۔ سیل ٹیم نے اسامہ کی لاش کو ایک بیگ میں ڈالا اور پاکستان سے نکلنے کی تیاری کرنے لگی۔ کمپاؤنڈ کے باہر سیل ٹیم کے ہمراہ موجود مترجم ارد گرد جمع ہونے والے لوگوں سے مقامی زبان میں کہہ رہا تھا کہ وہ اس جگہ سے دور رہیں یہاں ایک سکیورٹی آپریشن ہو رہا ہے۔ سیل ٹیم کے کچھ لوگوں نے گرے ہوئے ہیلی کاپٹر کو دھماکہ خیز مواد سے اڑا دیا جبکہ باقی کمپاؤنڈ میں موجود کاغذات اور کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسکس کو نکالنے لگے۔

اسامہ کی ایک تصویر اتار کر سرور پر اپ لوڈ کر کے تصدیق کے لیے فوراً روانہ کی گئی اور ڈی این اے کی جانچ کے لیے اس کے خون کے نمونے بھی لے لیے گئے۔ شنوک نے تباہ شدہ طیارے کے مسافروں کو وہاں سے اٹھایا، کمپاؤنڈ سے جمع کیے گئے سامان کو بھی اندر رکھا۔ اسامہ کے بیوی بچوں کو وہیں پر چھوڑ دینے کا منصوبہ پہلے سے ہی طے شدہ تھا۔

واشنگٹن میں بیٹھے ناظرین اپنی سکرینوں پر دو شنوک طیاروں کو واضح طور پر دیکھ سکتے تھے۔ اوبامہ نے بعد میں بتایا کہ جب سیل ٹیم آپریشن کر رہی تھی، وہ میری زندگی

کے طویل ترین چالیس منٹ تھے۔

بلیک ہاک اور شنوک طیارے الگ الگ راستوں سے افغانستان کی طرف چلے گئے تاکہ انہیں پکڑا نہ جاسکے۔ مقامی وقت کے مطابق رات دو بجے اور واشنگٹن کے وقت کے مطابق شام ساڑھے چھ بجے طیارے واپس افغانستان پہنچ گئے۔

14۔آپریشن کے اثرات

امریکی سیل ٹیم کے جانے کے چند منٹ بعد ہی پاکستانی سکیورٹی فورسز ایبٹ آباد کمپاؤنڈ پہنچنا شروع ہوئیں تو دور جاتے ہوئے ہیلی کاپٹروں کی آواز انہیں ابھی سنائی دے رہی تھی، سامنے ایک پریشان کن منظر تھا۔سب سے پہلی چیز جو انہیں نظر آئی وہ تھا ایک زمیں بوس ہیلی کاپٹر، جس کی اطلاع فوراً فوج کو دی گئی۔سکیورٹی فورسز کو لگا کہ شاید یہ کوئی پاکستانی ملٹری کا تربیتی سیشن تھا جو بری طرح فیل ہو گیا ہے۔اس کے بعد سکیورٹی اہلکار کمپاؤنڈ کے اندر گھسے تو فوراً ہی ان کا سامنا ایک زخمی عورت سے ہوا۔یہ پیغام رساں کی بیوی مریم تھی جو پشتون زبان میں کہہ رہی تھی: ''میں سوات سے ہوں، میرا شوہر مارا گیا، اگر آپ اندر جائیں گے تو وہاں بہت سے عرب ملیں گے جو مارے جا چکے ہیں''

جب سکیورٹی کا عملہ اندر پہنچا تو اندر چیخ و پکار مچی تھی اور متعدد خواتین رو رہی تھیں۔ اندر چودہ بچے تھے جن کے ہاتھ بندھے تھے۔سکیورٹی کے عملے کو چار لاشیں بھی ملیں، دو ملحقہ عمارت میں اور دو مرکزی عمارت میں۔سب سے اوپری منزل پر بن لادن کی نوجوان بیوی امل بے ہوش پڑی تھی، اس نے عبایا پہن رکھا تھا جیسے کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ہر طرف شیشے کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ایک بڑی عمر کی

عورت نے سکیورٹی عملے کو انگریزی میں بتایا:

''انہوں نے ابوحمزہ (اسامہ) کو مارا اور لے گئے''

سکیورٹی عملے کے ایک اہلکار نے پوچھا:

''کون ابوحمزہ؟''

خاتون نے جواب دیا:

''اسامہ بن لادن......انہوں نے میرے بیٹے کو مار دیا''

اس موقع پر اسامہ کی بارہ سالہ لڑکی صفیہ بولی:

''میں سعودی ہوں، اسامہ بن لادن میرے ابو ہیں''

پاکستانیوں نے اسامہ کی تینوں بیویوں اور بچوں کو کسٹڈی میں لیا، انہیں نظر بند کیا اور پاکستان کی فوجی خفیہ ایجنسیوں کے تفتیش کاروں کو ان کے بارے میں آگاہ کیا۔

احسان خان وہ پہلا صحافی تھا جو موقع پر پہنچا، احسان خان وائس آف امریکہ پشتو کا مقامی نمائندہ ہے۔ احسان خان رات 12:45 منٹ پر اپنے علاقے میں ہیلی کاپٹر کی آواز سن کر جاگا تھا۔ یہ وہ اضافی شنوک تھا جو گر جانے والے بلیک ہاک کی جگہ لینے جا رہا تھا۔ احسان سات سال سے اس شہر میں مقیم تھا اور ہیلی کاپٹر کی اس طرح کی آواز اس نے کبھی نہیں سنی تھی، اس لیے اس نے کچھ لوگوں سے کہا کہ وہ جا کر پتہ لگائیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر ان لوگوں کو کوئی معلومات نہ مل سکیں۔ اس کے بیس منٹ بعد احسان نے ایک شدید دھماکے کی گونج سنی۔ یہ زمیں بوس ہیلی کاپٹر کو دھماکہ خیز مواد سے اڑانے کی آواز تھی۔ احسان خان بستر سے کودا اور مقامی تھانے کو فون کرنے لگا۔ لائن مصروف تھی۔ وہ بار بار نمبر ملاتا رہا، تھوڑی دیر بعد لائن مل گئی اور اسے بتایا گیا کہ یہ ہیلی کاپٹر کے گرنے کی آواز تھی، اس نے جلدی سے اپنے گھر سے باہر نکل کے دیکھا تو آسمان میں روشنی کا دھارا زمین سے پھوٹتا نظر آ رہا تھا۔

اس نے سوچا جو بھی ہوا ہے، لازماً یہ ایک خبر ہے کیونکہ ایبٹ آباد میں اس سے قبل ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ خان نے فوراً ہی وائس آف امریکہ کے ایڈیٹر کو واشنگٹن میں میل کی:

''کاکول اکیڈمی ایبٹ آباد کے حساس علاقے میں ایک ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہو گیا ہے، حادثے سے قبل مقامی لوگوں نے دھماکے اور فائرنگ کی شدید آوازیں سنی ہیں، حکام نے دھماکے کی تصدیق کی ہے مگر ہلاکتوں اور وجوہات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں معلومات جمع کر رہا ہوں اور براہ راست رپورٹ کے لیے تیار رہوں گا۔ اگر ممکن ہے تو برائے مہربانی، صبح کے بلیٹن سے پہلے مجھے کال کریں''

اس کے بعد احسان خان دوڑتا ہوا بلال ٹاؤن اس جگہ پہنچا جہاں سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے مگر اس کے وہاں پہنچنے سے قبل پولیس نے کمپاؤنڈ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مقامی لوگوں نے اسے بتایا کہ اردگرد کی بجلی منقطع کر دی گئی تھی اور یہ معمول کی لوڈ شیڈنگ نہیں تھی۔

ادھر وائٹ ہاؤس میں اوباما کی ٹیم کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ ہیلی کاپٹر گرنے کی وجہ سے اب اس آپریشن کو خفیہ رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ اس آپریشن کی لائیو کوریج دیکھنے والے حکام دیکھ رہے تھے کہ کمپاؤنڈ کی چھت پر بہت سے لوگ موجود ہیں جو موبائل فون پر باتیں کر رہے تھے۔ دوسری طرف نیشنل سکیورٹی ایجنسی چھاپے سے آدھے گھنٹے بعد سے ہی ایبٹ آباد کے مقامی حکام کی گفتگوؤں کو سننے کی تیاری کر چکی تھی جو ٹیلی فونز پر 'عرب ہاؤس' میں ہوئے واقعے کی بابت اطلاعات بھیج رہے تھے۔ بن روڈز کو اطلاعات ملنا شروع ہو چکی تھیں کہ پاکستانی میڈیا کمپاؤنڈ پہنچ چکا ہے اور مقامی لوگوں کے انٹرویوز لے رہا ہے۔ کچھ پاکستانی صحافی پہلے ہی یہ اندازے لگا رہے تھے کہ گرا ہوا طیارہ کسی 'بیرونی طاقت' کا ہے، اور جوں ہی صبح کے بلیٹن چلنا شروع ہوئے پاکستان کا سازشی دماغ میڈیا اس سٹوری پر خبریں نشر کرنے لگا۔ روڈز کا بتانا ہے کہ ہم میں سے

بہت سوں کی یہ خواہش تھی کہ امریکی صدر دنیا سے مخاطب ہوں کیونکہ ہمیں خدشہ تھا کہ اس کہانی کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا شروع کر دیا جائے گا۔

اب سچویشن روم میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ پاکستان قیادت کو کون بتائے گا؟ اور جو بتائے گا وہ کہے گا کیا؟ پاکستان وہ ملک ہے جسے برائے نام طور پر اس کی سویلین حکومت چلاتی ہے مگر قومی سکیورٹی پالیسی کے تمام پہلو فوج کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ اوبامہ کے حوالے سے غلط سگنل جاتا اگر وہ پاکستان کے سب سے طاقتور شخص آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی سے بات کرتے۔ تو کیا ہیلری کلنٹن اس سے بات کرے...... یا ایڈمرل ملن...... وائٹ ہاؤس میں کون سا شخص ایسا ہے جو کیانی سے زیادہ ملتا رہا ہے؟ ملن بار بار اصرار کر رہے تھے کہ فیصلہ کریں' ہمیں کال کرنی ہے'

کیانی اور ملن کے درمیان گذشتہ پانچ سال میں کافی سے زیادہ ملاقاتیں ہو چکی تھیں اور دونوں کے درمیان ایک طرح کی دوستی قائم ہو چکی تھی۔ کیانی نے یو ایس آرمی کمانڈ اور جنرل سٹاف کالج کینساس سے تعلیم حاصل کی تھی، اور پاکستانی قوم پرست ہونے کے باوجود وہ امریکہ دشمن نہیں تھے۔ بلکہ گذشتہ کچھ سالوں سے وہ اس کوشش میں تھے کہ پاک امریکہ تذویراتی تعلقات قائم ہو جائیں۔

ملن کو معلوم تھا کہ یہ بات اہم ہے کہ جنرل کیانی کو پہلے سب کچھ بتا دیا جائے تا کہ جب اس کے جنرل اس سے پوچھیں کہ کیا ہوا ہے تو وہ اس واقعے کو خود سے منسوب کر سکیں۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ پاکستان یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ ایبٹ آباد حملہ اس کے پڑوسی اور حریف ملک بھارت نے تو نہیں کیا اور اوبامہ انتظامیہ اس بات کو بخوبی آگاہ تھی کہ قبل ازیں کہ دو ایٹمی ہمسایہ ملکوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا تھا پاکستان کو سب سچ بتا دیا جانا چاہیے۔

پاکستان کی طاقتور خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل احمد شجاع

پاشا، جورات گئے اپنی سٹڈی میں کام کر رہے تھے جب کسی شخص کا انہیں فون آیا ''ہیلی کاپٹر گرنے کا واقعہ سن کر افسوس ہوا''۔ پاشا جانتے تھے کہ پاکستان کے پاس رات کو دیکھنے کی ٹیکنالوجی نہیں ہے اس لیے یہ باعث حیرت ہے کہ ان کا چاپر گر گیا ہے۔ اس نے اپنے لوگوں سے متعدد فون کالز پر پوچھا ''کیا ہمارا کوئی چاپر گرا ہے''۔ انہیں جواب دیا گیا ''وہ ہمارا چاپر نہیں تھا''

جنرل کیانی کو رات ایک بجے ڈائریکٹر آف ملٹری آپریشنز کی طرف سے فون کال موصول ہوئی۔ خبر چونکا دینے والی تھی۔ ایبٹ آباد کے ملٹری اور ایٹمی انسٹالیشنز کے علاقے میں کسی رہائشی کمپاؤنڈ کے باہر ہیلی کاپٹر گرا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ بھارت پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف کوئی بری ایمپٹو اقدام تو نہیں اٹھا رہا، جنرل کیانی نے فضائیہ کے سربراہ کو فون کیا اور حکم دیا کہ کوئی بھی طیارہ علاقے میں اڑتا دکھائی دے تو اسے مار گرایا جائے۔ امریکہ ساختہ دو ایف 16 طیارے ایبٹ آباد کے جنوب مغرب سے پانچ سو کلومیٹر فاصلے سے اڑے مگر انہیں دخل اندازوں کا کوئی نشان نہ ملا۔

جب دونوں ہیلی کاپٹر اسامہ کی لاش سمیت پاکستانی کی فضائی حدود سے باہر نکل آئے تو اوبامہ نے جس شخص کو سب سے پہلے فون کیا وہ سابق امریکی صدر بش تھا جو اس وقت ڈلاس میں شام کا کھانا کھا رہا تھا۔ اوبامہ نے بش کو بتایا کہ اسامہ مارا جا چکا ہے تو اس پر بش نے اوبامہ اور سیل کی ٹیم کو مبارکباد دی۔ بش نے بعد ازاں بتایا کہ یہ خبر سن کر مجھے کوئی غیر معمولی خوشی نہ ہوئی تھی، بس یہ احساس ہوا کہ انصاف ہو گیا۔ اس کے بعد اوبامہ نے کلنٹن کو فون کیا جس نے 1998 میں پہلی بار اسامہ کو کروز میزائل کے ذریعے مارنے کی کوشش کی تھی۔ بعد ازاں اوبامہ نے برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کو فون کر کے بتایا تا کہ اگلے روز اٹھ کر انہیں اس واقعے پر زیادہ حیرت نہ ہو۔

پاکستان میں امریکی سفیر کیمرون منٹر کو اس چھاپے کی بابت پہلے سے معلوم تھا مگر انہوں نے اس سلسلے میں ایمبیسی میں کسی سے بات نہ کی تھی۔ صبح صبح کیمرون کو ایک پاکستانی اہلکار کا فون موصول ہوا جس میں پوچھا گیا، ایبٹ آباد میں ایک ہیلی کاپٹر گرا ہے، کیا آپ کو اس بارے میں کچھ معلوم ہے؟ منٹر نے اسے کہا کہ میں تھوڑی دیر بعد آپ کو فون کرتا ہوں۔ مگر اس نے دوبارہ فون نہ کیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اس بابت پہلے امریکی صدر یا ملن پاکستانی قیادت سے بات کریں۔

اس کے بعد اوبامہ نے پاکستانی صدر آصف علی زرداری کو فون کیا اور یہ خبر سنائی۔ زرداری یہ سن کر جذباتی ہو گئے۔ کیونکہ ان کی بیوی اور سابق وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو کو چار سال قبل طالبان نے ہلاک کیا تھا۔ زرداری نے اوبامہ کو بتایا کہ مجھے خوشی ہے کہ اسامہ مارا گیا کیونکہ یہ لوگ ویسے ہی ہیں جنہوں نے میری بیوی کو مارا تھا، میرے لوگوں کو مارا ہے اور میرے خاندان کو مارا ہے، اس لیے میں اس خوشی میں برابر کا شریک ہوں۔

اس کے بعد ایڈمرل مولن نے محفوظ ٹیلی فون لائن پر جنرل کیانی کو فون کیا۔ اسامہ کی ہلاکت کی خبر سن کر جو پہلا لفظ کیانی نے کہا وہ تھا ''مبارک ہو''۔ کیانی اور ملن کی گفتگو 20 منٹ تک جاری رہی۔ ملن نے پورے آپریشن کی تفصیلات کیانی کو بتائیں اور یہ بھی کہا کہ امریکہ صدر اس چھاپے کے بارے میں جلد ہی بیان جاری کریں گے۔ کیانی نے ملن سے کہا کہ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ کی جو خلاف ورزی ہوئی ہے مجھے اس پر تشویش ہے اور میری خواہش ہے کہ اوبامہ جلد از جلد جو ہوا اس کی وضاحت کریں گے۔ کچھ دیر بعد پاکستان میں سورج طلوع ہو گیا۔ ایبٹ آباد میں ایک پراسرار ہیلی کاپٹر گرا ہوا تھا جو واضح طور پر پاکستان کا نہیں تھا۔ مقامی میڈیا اس سٹوری کو کور کر رہا تھا۔ کیانی نے ملن کو بتایا ''ہمارے لوگ سمجھنا چاہتے ہیں کہ یہاں کیا ہوا ہے، آپ

کی تصدیق کے بغیر پاکستانی میڈیا کو ہم نہیں سنبھال سکتے ،آپ لوگ ہی ان کے سامنے وضاحت کر سکتے ہیں...... انہیں یہ سمجھانا ہوگا کہ یہ اسامہ بن لادن تھا نہ کہ امریکہ کا کوئی معمول کا آپریشن''

کیانی نے عملاً یہ مطالبہ کیا کہ اوبامہ ممکنہ طور پر جلد از جلد اس واقع کی وضاحت کریں۔ملن اس کے بعد دوبارہ سچویشن روم گئے اور کہا:

''کیانی نے کہا ہے کہ ہم اس کا لوگوں کے سامنے اعلان کریں'' آٹھ بجکر پندرہ منٹ پر وائٹ ہاؤس کی طرف سے واشنگٹن پریس کو اطلاع دی گئی کہ صدر اوبامہ دو گھنٹے میں ایک اہم اعلان کرنے والے ہیں۔یاد رہے کہ اس دن پریس کو بتایا گیا تھا کہ آج کے باقی دن صدر پریس سے کوئی بات نہیں کریں گے اس لیے تمام عملہ گھروں کو جا چکا تھا جسے اب خود انتظامیہ بلا رہی تھی۔ بائیڈن اور کلنٹن ٹیلی فونز پر کانگریس کے ممبرز اور اتحادیوں کو صدر کی طرف سے اسامہ کی موت کے اعلان کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے۔گیٹس جو اس چھاپے کے حق میں نہیں تھا وہ پہلا شخص تھا جو ساڑھے آٹھ بجے وائٹ ہاؤس سے چلا گیا۔ باقی ٹیم وہاں موجود تھی جن کے سامنے ایک طویل اور مصروف رات تھی۔

صحافی اور میڈیا گرو صدر کی اس تقریر کے حوالے سے مختلف چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔شروع میں ان کا خیال تھا کہ لیبیا کے آمر معمر قذافی نیٹو کے کسی آپریشن میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ یاد رہے کہ ایک دن قبل قذافی کے خاندان کا ایک آدمی نیٹو کے ایک آپریشن میں ہلاک ہو چکا تھا۔مگر یہ چہ میگوئیاں اس وقت دم توڑ گئیں جب یہ سن گن ملی کہ اعلان اسامہ سے متعلق ہے۔

روڈز تقریر لکھنے بیٹھے ''وی گاٹ ہم'' ہی لکھا کہ اس کے بعد انہوں نے کہا میں یہ تقریر نہیں لکھ سکتا۔اس تقریر کا سب سے مشکل پہلو یہ تھا کہ پاکستان کی اس مشن میں

شمولیت کا تذکرہ کیسے کیا جائے۔ روڈز اس مشکل کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پاکستان کا تعاون تو اگرچہ ہمیں حاصل رہا تھا اور ہماری خفیہ اطلاعات میں جو خالی جگہیں تھیں وہ پاکستانی تعاون کی وجہ سے ہی پر ہوئیں تھیں، مگر خود پاکستان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اسامہ کی تلاش میں ہماری مدد کر رہے ہیں۔

اوبامہ نے اس موقع پر کہا کہ اس تقریر کا آغاز ماضی، یعنی نائن الیون کے واقعے سے کرو، جس میں اس بات پر زور دیا جائے کہ پاکستان نے القاعدہ کے خلاف جنگ میں اہم کردار ادا کیا ہے، اس کے بعد لوگوں کو یہ یاد دلایا جائے کہ عراق اور افغانستان میں امریکی لوگوں نے کیا قربانیاں دی ہیں اور تقریر کے آخر میں ذکر ہو کہ امریکہ اب بھی غیر معمولی چیزیں کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اوبامہ اور روڈز کافی دیر تک اس تقریر کی تدوین کرتے رہے۔ جس کے بعد صدر تقریر کے لیے نکل پڑے۔

صدر کی تقریر سے کچھ دیر قبل مائیک وکرز جو بن لادن آپریشن کے تھکا دینے والے مشن کا حصہ تھا، اس نے اپنی بیوی کو فون کیا:

''ٹی وی چلاؤ، تمھیں اس وجہ کا پتہ چل جائے گا جس کی وجہ سے میں ویکنڈ پر گھر نہیں آ سکا''

سچویشن روم سے صدر اوبامہ ڈائریکٹر آف انٹیلی جنس جیمز کلیپر کے ساتھ باہر نکلے تو وائٹ ہاؤس کے سامنے مختصر لوگوں کی ایک بھیڑ جمع تھی جو اس امید میں آئے تھے کہ اسامہ مارا جا چکا ہے۔ کلیپر نے بعد میں بتایا: ''مجھے معلوم تھا کہ یہ اہم واقعہ تھا اور لوگوں کے نزدیک اس کی بہت اہمیت تھی، صدر کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے امریکہ امریکہ کے نعرے سنے، اس وقت مجھے لگا کہ ہاں واقعی یہ بہت بڑی خبر ہے''

گیارہ بجکر پینتیس منٹ پر سیاہ کوٹ اور سرخ ٹائی میں صدر نے خطاب شروع کیا:

''گڈ ایوننگ......آج رات میں امریکی عوام اور دنیا کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امریکہ

نے ایک آپریشن میں اسامہ بن لادن کو ہلاک کر دیا ہے، جو القاعدہ کا سربراہ اور ہزاروں معصوم لوگوں کی جان لینے والا دہشت گرد تھا۔'' اس کے بعد محتاط انداز میں پاکستان کا حوالہ دیتے ہوئے اوبامہ نے کہا:

''یہ بات اہم ہے کہ دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے ساتھ ہمارے تعاون نے اسامہ اور اس کمپاؤنڈ تک رسائی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسامہ نے پاکستانی عوام کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کر رکھا تھا''

اگرچہ وہ اتوار کی رات تاخیر سے نشر ہونے والی نشریات تھی مگر اوبامہ کی سب تقریروں سے زیادہ اسے ناظرین اور سامعین ملے۔ اس تقریر کو پانچ کروڑ پانچ لاکھ لوگوں نے براہ راست سنا۔

سی آئی اے چیف کہتے ہیں کہ جب اوبامہ کی تقریر کے بعد میں وائٹ ہاؤس سے نکلا تو باہر جذبات سے مغلوب بھیڑ موجود تھی جو خوش تھی اور امریکا کا قومی ترانہ گا رہی تھی۔

امریکہ اور پاکستان سے دور اسامہ کی لاش آخری رسومات کے لیے تیار تھی۔ القاعدہ کے لیڈر کی لاش کے حوالے سے کافی غور و خوض کیا جا چکا تھا۔ اوبامہ انتظامیہ اس بات کو یقینی بنانا چاہتی تھی کہ اسامہ کی قبر نہ بن سکے جو کل کو مزار میں ڈھل جائے۔ اوبامہ کے نیشنل سکیورٹی عملے نے اس سلسلے میں علمائے اسلام سے آخری رسومات کی بابت بھی دریافت کیا تھا جن کے مطابق ایک مسلمان کے دفن میں اہم چیز یہ ہے کہ اسے صاف سفید کپڑے میں اور وفات کے ایک دن کے اندر اندر دفنا دینا چاہیے۔ سمندر میں دفن کرنے کے حوالے سے اسلامی علما نے بتایا تھا کہ مخصوص حالات میں سمندر میں بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔

سی آئی اے کے سعودی عرب میں سٹیشن چیف جان برینن سعودی عرب کے طاقتور وزیر داخلہ محمد بن نیاف سے ملے اور بتایا کہ سی آئی اے اس بات کی تصدیق

کرتی ہے کہ امریکی فورسز نے بن لادن کو پاکستان میں ہلاک کر دیا ہے۔ برینن نے پوچھا کہ کیا سعودی چاہتے ہیں کہ اسامہ کی میت ان کے آبائی وطن واپس لائی جائے، اگر ایسا نہیں ہے تو منصوبہ یہ ہے کہ اسامہ کو سمندر میں ہی دفن کر دیا جائے۔ نیاف جسے القاعدہ نے ایک سے زیادہ بار قتل کرنے کی کوشش کی تھی، نے برینن کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ مجھے کنگ عبداللہ کو بتانا پڑے گا، اس پر برینن نے کہا کہ مجھے چند منٹ میں ہی جواب درکار ہے جس پر نیاف نے کہا کہ تم اپنے منصوبے کے مطابق عمل کرو۔

افغانستان کی بگرام ایئر بیس سے وی 22 ائیر کرافٹ کے ذریعے اسامہ کی لاش امریکی کارل ونسن بحری جہاز پر لائی گئی۔ جہاں اسلامی عقائد کے مطابق اسامہ کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں جاری رہنے والی ان رسومات میں اسامہ کی لاش کو نہلایا گیا اور سفید کفن میں لپیٹ دیا گیا۔ اس کے بعد ایک بیگ جسے ڈوبانے کے لیے اس میں وزن پہلے ہی رکھے جا چکے تھے اس میں لاش کو رکھا گیا۔ اس کے بعد ایک افسر نے مذہبی کلمات ادا کیے جس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے بعد اسامہ کی لاش سیدھے سے ایک تختے پر رکھ دی گئی جو بحری جہاز کے بالکل سرے پر رکھا تھا تاکہ اسے تھوڑا سا جھکانے سے لاش سمندر میں گر جاتی۔ 2 مئی بوقت صبح گیارہ بجے ......واشنگٹن میں اس وقت رات کے دو بجے تھے......اسامہ کو بحیرہ عرب کی وسعتوں میں گمنام قبر کے حوالے کر دیا گیا۔ اسامہ کی آخری رسومات میں جہاز کے ڈیک پر موجود عملے کے مختصر افراد نے شرکت کی، جس وقت اسامہ کو بحیرہ عرب میں دفن کیا گیا اس کی عمر 54 برس تھی۔

سرکردہ اسلامی سکالر اور قاہرہ کی جامع الازہر مسجد کے امام اعظم شیخ احمد الطیب نے فوراً ہی اسامہ کی اس طرح تدفین پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ بن لادن کی اس طرح سمندر میں تدفین اسلامی فقہ، مذہبی اقدار اور انسانی رواج کی خلاف ورزی

ہے۔عراقی عالم عبدالستار الجانب نے کہا کہ کسی مسلمان کی لاش کو یوں سمندر برد کرنا ایک جرم ہے۔ان کا کہنا تھا کہ اسامہ کی لاش کو ان کے خاندان کے سپرد کرنا چاہیے تھا تا کہ وہ جس ملک میں چاہتے وہاں اسے دفن کر سکتے۔

اسامہ کے بڑے بیٹوں میں سے ایک عمر بن لادن نے اپنے خاندان کی طرف سے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اسامہ کو یوں اچانک اور کسی اپنے کی موجودگی کے بغیر تدفین کر کے ان کے خاندان کو ایک مسلمان کی اسلامی انداز میں تدفین سے محروم کیا گیا ہے۔

اسامہ کے ڈی این اے کے لیے خون کے جو دو نمونے لیے گئے تھے ان میں سے ایک کو بگرام ائیر بیس پر ٹیسٹ کیا گیا، جو نتائج سامنے آئے انہیں واشنگٹن بھیج دیا گیا، جب کہ دوسرا نمونہ خون ساتھ واشنگٹن لے جایا گیا تا کہ اس کی مزید جانچ کی جا سکے۔ بن لادن کے رشتہ داروں سے جو ڈی این اے میٹیریل انٹیلی جنس حکام نے لیا تھا اس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوگئی کہ جس شخص کو بحیرہ عرب میں دفنایا گیا تھا وہ اسامہ بن لادن ہی تھا۔

جان برینن نے اسی دن ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ اسامہ کی لاش کو سمندر برد کر دیا گیا ہے۔اس پریس کانفرنس میں ایبٹ آباد کمپاؤنڈ میں ہوئے کچھ واقعات بھی اس نے اخبار نویسوں کو بتائے ،مثال کے طور پر یہ کہ اسامہ نے ایک عورت کو ڈھال بنانے کی کوشش کی تھی، یہ کہ وہ ہتھیاروں تک پہنچ گیا تھا اور یہ کہ وہ سیل ٹیم کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے میں ہلاک ہوا۔وائٹ ہاؤس نے فوراً ہی ان تمام بیانات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ رات کے اندھیرے کی وجہ سے یہ ابہام پیدا ہوئے۔

اوباما انتظامیہ کی جانب سے اسامہ کے فوٹو گرافس کے حوالے سے بھی ہڑبڑاہٹ سامنے آئی۔القاعدہ لیڈر کی ہلاکت کے اگلے دن پینیٹا نے این بی سی نیوز سے بات

کرتے ہوئے کہا کہ مردہ اسامہ کے فوٹو گرافس جلد ہی عام لوگوں کے سامنے لے آئے جائیں گے۔ مگر اس کی وضاحت بھی جلد ہی وائٹ ہاؤس کی طرف سے آ گئی کہ اس کے فوٹو گرافس نہیں ہیں۔ اوبامہ، گیٹس اور کلنٹن تمام اس بات پر متفق تھے کہ اگر اسامہ کی پامال لاش کے فوٹو گرافس عوام کے سامنے لائے گئے تو اس سے القاعدہ امریکیوں کے خلاف لوگوں کو اکسا سکتی ہے۔ جبکہ سازشی تھیوریز کے حامی جو سیل آپریشن کو ڈھونگ قرار دے رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اسامہ ابھی تک زندہ ہے وہ ان تصویروں کو بھی آسانی سے ڈھونگ قرار دے سکتے ہیں۔ اوبامہ نے بعدازاں اس حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم کسی ایسے شخص کے فوٹو گراف جسے سر پر گولی لگی ہو دکھا کر پروپیگنڈہ کرنے والے عناصر کو لوگوں کو ابھارنے کے لیے ظاہر نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ جنہیں اسامہ کی موت پر شک تھا ان کے لیے اوبامہ نے اپنے پیغام میں کہا کہ تم لوگ کبھی اسامہ کو زمین پر چلتا ہوا نہیں دیکھ سکو گے۔

سیل ٹیم نے بن لادن کے کمپاؤنڈ سے جو مواد جمع کیا تھا اسے واشنگٹن لے جایا گیا جہاں 125 افراد پر مشتمل ٹاسک فورس نے اس تمام مواد کا تجزیہ کیا تا کہ یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ القاعدہ کہیں پر حملوں کی منصوبہ بندی تو نہیں کر رہی تھی۔ ڈائریکٹر نیشنل انٹیلی جنس جیمز کلیپر نے اس تمام مواد کے حوالے سے اپنے حتمی تجزیے میں کہا کہ اسامہ نے امریکن ٹرانسپورٹیشن سسٹم اور بحیرہ ہند میں امریکی آئل ٹینکرز پر حملوں کے حوالے سے جو منصوبے بنا رکھے تھے وہ عملی سے زیادہ صرف خواہشیں بلکہ سراب تھے جو تنہائی کے شکار ایک فرد نے اکیلے بیٹھ کر پال رکھے تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے جنگ عظیم دوم کے آخری دنوں میں نازی لیڈر ہٹلر اس فوج کو ادھر سے ادھر نقل و حرکت کے احکام جاری کر رہا تھا جو اپنا وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔

3 مئی کو پینیٹا نے ٹائم میگزین سے بات کرتے ہوئے وہ باتیں کہیں جو وائٹ

ہاؤس کے حکام نجی اجلاسوں میں کرتے تھے، پینیٹا نے کہا کہ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پاکستان سے ملکر اگر اپریشن کا فیصلہ کیا جاتا تو اس سے مشن کو خطرہ ہو سکتا تھا، شاید وہ ہدف کو خبردار کر دیتے۔ یہ بیان پاکستان کے لیے جلے پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھا۔ پاکستان کی فوج کی طرف سے بن لادن آپریشن کے حوالے سے پہلا ردعمل چونکا دینے والا تھا۔ القاعدہ اوراس کے اتحادی بار بار پاکستانی افواج پر حملہ آور ہو رہے تھے، اس لیے یہ چونکاہٹ بھی پاکستانی افواج کی سینئیر سطح پر بعد ازاں اطمینان میں بدل گئی۔ اس دن جس دن اسامہ ہلاک ہوا، اسی دن جنرل کیانی اور پاشا اوبامہ کے خصوصی نمائندہ برائے افغانستان و پاکستان مارک گراس مین اور پاکستان میں امریکہ کے سفیر کیمرون منٹر سے ملے اور دونوں پاکستانی جرنیلوں نے اسامہ کی ہلاکت پر دونوں امریکی سفرا کو مبارکبادیں پیش کیں۔

مگر خیر سگالی کا یہ جذبہ زیادہ دیر نہ رہا۔ بن لادن کی ہلاکت پر پاکستانیوں کی حیرت جلد ہی غصے میں بدل گئی، جب پاکستان کو محسوس ہوا کہ امریکہ کے ساتھ موعودہ تذویراتی پارٹنر شپ پہلے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں میں اضافے کے باعث بنی ...... یہ ڈرون پاکستان میں کافی غیر معروف ہیں...... اور پھر ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ ہوا جس نے لاہور میں دو پاکستانیوں کو قتل کیا اور بعد میں اسے جیل سے نکال کر امریکہ بھیج دیا گیا اس سے سیاسی فضا میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ اب توجہ کا مرکز ایبٹ آباد میں امریکہ کا یکطرفہ حملہ بن گیا جس میں اسامہ مارا گیا تھا۔ جب ایبٹ آباد آپریشن کی گرد بیٹھ گئی تو یقیناً جنرل کیانی نے خود سے یہ سوال کیا ہوگا: ''کیسے میرا اچھا دوست ایڈمرل ملن مجھے اس چھاپے کے بارے میں نہیں بتا سکا؟'' اس واقعے کے بعد کیانی اور ملن کے درمیان شاذ ہی بات ہوئی۔

ایبٹ آباد کا چھاپا پاکستانی افواج کے لیے بھی خفت انگیز تھا جو خود کو پاکستان کا سب

سے زیادہ باصلاحیت ادارہ سمجھتی ہے، یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے۔ پاکستانی افواج کے لیے یہ بھی سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ اگر سیل ٹیم پاکستان کے دل سے اسامہ کو مار کر لے جاسکتی ہے اور پاکستانی افواج کو پتہ تک نہیں چلتا نہ وہ کچھ کر پاتی ہیں تو اس آرمی کی صلاحیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ وہ اپنے قیمتی ہیرے، ایٹمی ہتھیاروں کو بھارتی یا خود امریکی ہاتھوں میں جانے سے روک سکے گی؟

پاکستانی افواج اور خاص طور پر جنرل کیانی کے خلاف لوگوں کا غصہ عروج پر تھا جو پاک امریکہ تعلقات کی بہتری کی کوشش کر رہے تھے۔ ایبٹ آباد کے آپریشن کے بعد پاکستان کی افواج پر تنقید میں اضافہ ہوگیا، حالانکہ پاکستان میں افواج پر تنقید کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیانی اور پاشا کو ملامتیں ہل چکی تھیں کیونکہ وہ فوج اور پاکستانی جرنیلوں کی حمایت کھو رہے تھے۔ کیانی کو پریشانی تھی کہ اس سے پاکستانی فوجی کا امیج بکھر جائے گا۔ اپنے قریبی رفقا سے بات کرتے ہوئے کیانی نے کہا کہ یہ ان کی زندگی کا بدترین ہفتہ گزرا ہے۔

ماضی میں آئی ایس آئی کے سربراہ اپنے امریکی ہم منصب پینیٹا کو یہ درخواست کر چکے تھے کہ اگر سی آئی اے پاکستانی حکومت یا فوج پر کسی اہم معاملے پر اعتماد نہ بھی کرے تو کم از کم انہیں، کیانی یا صدر زرداری کو بتا دیا جائے تا کہ پاکستانی سچ بول کر کہیں اس بارے میں ہمیں بتا دیا گیا تھا اپنی ناک بچا سکیں۔ نرم لہجے میں بات کرنے والے پانچ فٹ سات انچ قامت کے جنرل پاشا جن کی آنکھوں کے گرد موجود حلقے ان کی بے خواب راتوں کی کہانی سناتے ہیں، نے ریمنڈ ڈیوس کی رہائی میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اور متاثرہ خاندانوں سے براہ راست بات کرتے رہے تھے کہ وہ خون بہا قبول کر لیں، اور ڈیوس کو رہا ہونے دیں۔ بن لادن آپریشن کے بعد پاشا کو محسوس ہوا کہ امریکہ سے ان کے تعلقات کو ناقابل مرمت نقصان پہنچ چکا ہے۔

دوسری طرف امریکی کانگریس میں بھی کچھ اسی طرح کے جذبات تھے کہ اسامہ اس ملک میں چھپا ہوا تھا جو نائن الیون کے بعد اربوں ڈالر کی امداد لے چکا ہے(حالانکہ انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ امداد ان فوجی آپریشنز کی مد میں تھی جو پاکستانی افواج افغان پاک بارڈر پر طالبان کے خلاف امریکی مطالبات پر کر رہی تھی)۔ مشی گن سے ہاؤس میں نمائندگی رکھنے والے مائیک راجرز نے کھلے بندوں کہا کہ:

''مجھے یقین ہے کہ پاکستانی افواج اور اور خفیہ ایجنسیوں نے کسی نہ کسی طرح اسامہ کی معاونت کی تھی''

دوسری طرف امریکی خفیہ اداروں کی تحقیق ہے جو واضح بتاتی ہے کہ پاکستانی حکام نے اسامہ کی ایبٹ آباد کی پناہ میں کوئی معاونت کی تھی اور نہ ہی اسامہ کے کمپاؤنڈ میں ملنے والی دستاویزات سے ایسا کوئی ثبوت ملا۔ مگر اس کے باوجود کانگریس اور امریکی میڈیا میں یہ خیال عام ہے کہ القاعدہ لیڈر کو پناہ دینے میں پاکستانیوں کا ہاتھ تھا۔

جیسا کہ توقع تھی بن لادن کی ہلاکت کے بعد چھ مئی کو القاعدہ کے میڈیائی بازو نے ان ویب سائٹس پر اسامہ کی ہلاکت کی تصدیق کر دی جہاں وہ اپنا پروپیگنڈہ شائع کرتے رہے تھے۔ جو پیغام اس موقع پر دیا گیا اس میں کہا گیا کہ اسامہ کی شہادت کا بدلہ لیا جائے گا۔ القاعدہ کے پیغام میں کہا گیا کہ اسامہ کا خون بہت قیمتی تھا جو ایسے ہی رائیگاں نہیں جائے گا اور ہم پاکستانی مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں جہاں شیخ اسامہ کا خون بہا ہے کہ وہ بغاوت میں اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے ملک کو امریکیوں سے پاک کر دیں جنہوں نے ملک میں گند پھیلایا ہوا ہے۔ مگر اس اپیل پر پاکستانیوں سمیت بہت کم لوگوں نے توجہ دی۔ جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اسامہ کی ہلاکت پر جو احتجاجی مظاہرے ہوئے اس میں بہت ہی کم پاکستانیوں نے شرکت کی۔

ٹھیک اسی دن جب القاعدہ کی طرف سے اسامہ کی ہلاکت کی تصدیق آئی اوبامہ

ایک چھوٹے سے کمرے میں اس ٹیم سے ملاقات کے لیے پہنچے جنھوں نے ایبٹ آباد مشن میں حصہ لیا تھا۔سب سے پہلے اباما نے اس پائلٹ سے سوال کیا جس اس بلیک ہاک کواڑا رہا تھا جو گر گیا تھا ''کیا اس طرح کی چیز معمول میں ہوتی ہیں''، جس کے جواب میں ہواباز نے بتایا''ہم اس بات کا مکمل درست اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آگے کیا ماحول ہوگا؟''

اس کے بعد اباما نے پوچھا:''کیا اس میں موسم کا بھی کوئی ہاتھ تھا؟''

ہواباز نے جواب دیا:'موسم فلائٹ پلان پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس دن موسم ہماری توقع سے کچھ زیادہ گرم تھا'

سیل ٹیم کے کمانڈر نے اسامہ کے کمپاؤنڈ کے ماڈل اور لیزر کے ساتھ ان مشکلات کے بارے میں بھی اباما کو بتایا جو آپریشن کے شروع سے اختتام تک انہیں پیش آئیں۔ٹیم کمانڈر نے بتایا کہ جو اس پائلٹ نے کیا اس کی وجہ سے ہم تمام لوگ زندہ ہیں، بہر حال یہ ہمارے دس سال کی محنت کا ثمر ہے جو آپ کے سامنے ہے، ہم یہ افغانستان میں بھی کر چکے ہیں، اور عراق میں بھی۔اس کے بعد سیل ٹیم کے کمانڈر نے ایبٹ آباد کے مشن میں ہر شخص نے جو کردار ادا کیا اس کے بارے میں اوبامہ کو بریفنگ دی۔ٹیم کمانڈر نے اس مترجم کا تعارف کراتے ہوئے جو آپریشن میں ان کے ہمراہ تھا کہا کہ اگر یہ شخص ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو نہ جانے ہمارے ساتھ کیا ہوتا۔ٹیم کمانڈر نے کہا ہم میں سے ہر شخص نے اس مشن میں اہم کردار ادا کیا ہے اور کوئی اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا تھا، صرف وہ شخص ہی اہم نہیں جس نے اسامہ پر گولی چلائی بلکہ اس مشن میں ہر فرد نے انتہائی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔صدر نے اس موقع پر ٹیم سے یہ سوال نہ کیا کہ کس نے اسامہ پر گولی چلائی تھی اور نہ ہی کسی نے اپنی طرف سے یہ بتایا۔مگر اس موقع پر اوبامہ نے اتنا ضرور کہا کہ جو مختصر سے لڑا کا ٹیم یہاں پر موجود ہے

یہ انسانی تاریخ کی بہترین لڑاکا ٹیم ہے۔

اس کا بعد صدر نے اس کتے کائرو کو دیکھنے کی فرمائش کی جو سیل ٹیم کا حصہ تھا۔ وہ کتا پیش کیا گیا اگرچہ اوبامہ کا اسے تھپکی دینا اسے پسند نہ آیا۔

پاکستان کے ساتھ معاملات کو سدھارنے کیلئے جان کیری کو پاکستان بھیجا گیا۔ جنرل کیانی اور پاشا کے ساتھ گھنٹوں طویل گفت وشنید میں جان کیری نے ان تمام مسائل پر بات کی جو دونوں ملکوں کے درمیان تناؤ کا سبب بنے ہوئے تھے۔ ان مسائل میں پاکستان کی طرف سے طالبان کی حمایت، سی آئی اے کے پاکستان میں آپریشنز اور ایبٹ آباد کا چھاپا شامل تھے۔ کیانی نے اس موقع پر کہا کہ سی آئی اے کی طرف سے ڈرون حملے بند کیے جائیں۔ کیانی نے اس موقع پر یہ کہا کہ ایبٹ آباد اپریشن کے حوالے سے ان سے دھوکہ کیا گیا حالانکہ انہوں نے امریکہ کے ساتھ اچھے تعلقات کے لیے کئی خطرات مول لیے تھے۔ کیری نے جواب میں کہا کہ ڈرون حملوں کی بندش کا موضوع ہماری فہرست میں نہیں ہے جبکہ بن لادن اپریشن کے بارے میں نہ بتانے کی وجہ تورا بورا میں اسامہ کو پکڑنے کے آپریشن کی ناکامی تھی۔

اس موقع پر کیری نے تباہ شدہ امریکی طیارے کی واپسی اور سی آئی اے کا اسامہ کا بیویوں سے تفتیش کرنے کی اجازت کے حوالے سے بھی گفتگو کی۔ جس وقت جان کیری اسلام آباد سے واپس امریکہ جا رہے تھے اسی وقت سی آئی اے کی طرف سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ایک اور ڈرون حملہ سی آئی اے کی طرف سے ہوا۔

پاکستان کی طرف سے اسامہ کی بیویوں کی تفتیش کے لیے خواتین تفتیش کار متعین ہوئیں مگر انہوں نے فرار یا ایبٹ آباد کی ان کی زندگی کے بارے میں بہت کم بتایا۔ بیویوں کی قیادت 62 سالہ خریہا کر رہی تھی۔ تفتیش کاروں نے بعد میں بتایا کہ خریہا ایک مشکل اور سخت عورت ہے۔ اگرچہ ان خواتین کو پرسکون گھر میں رکھا گیا تھا مگر ان

کا مطالبہ تھا کہ انہیں ان کے گھروں کو واپس بھیجا جائے۔ جب سی آئی اے حکام نے اسامہ کی تینوں بیویوں سے تفتیش کی تو وہ تینوں ہی امریکہ کی شدید مخالفت میں بات کر تی رہیں۔ اسامہ کی ہلاکت کے ایک سال بعد پاکستان نے اسامہ کی تینوں بیویوں پر غیر قانونی طور پر ملک میں داخل ہونے کا الزام عائد کیا جس پر پانچ سال کی سزا دی جا سکتی ہے۔

20 مئی کو اوبامہ نے ورجینیا میں سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا اور انٹیلی جنس کمیونٹی کا اسامہ مشن کے حوالے سے شکریہ ادا کیا۔ اوبامہ نے تقریبا 60 سی آئی اے اہلکاروں سے اس موقع پر فردا فردا ملاقات کی اور اس کے بعد تقریبا ایک ہزار سی آئی اے کے عملے سے خطاب کیا اور کہا آپ کا کام اور معیاری معلومات کی فراہمی کی وجہ سے یہ مشن مکمل ہو سکا ہے۔

اختتامیہ

القاعدہ کا زوال

جس طرح نپولین کو سمجھے بغیر یہ جاننا مشکل ہے کہ 1812 میں ماسکو کی طرف مارچ کرنے کا فرانسیسی افواج کا کیا مقصد تھا، اسی طرح القاعدہ یا نائن الیون کو سمجھنے کے لیے اسامہ کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ القاعدہ کے تصور کا بانی بن لادن تھا، یہ تنظیم سوویت یونین کے خلاف جہاد کے آخری دنوں میں وجود میں آئی اور پشاور میں اگست 1988 سے اسامہ کی ہلاکت تک بن لادن اس کے بے تاج بادشاہ رہے۔ یہ اسامہ ہی تھا جس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلم دنیا سے امریکی اثرات کے خاتمے کے لیے امریکہ پر حملے کیے جائیں۔ وہی حکمت عملی جو نپولین نے روس پر حملہ کر کے اختیار کی تھی، اور یہ دونوں ہی فیصلے اپنے بانیوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے۔ نائن الیون حملوں کا نتیجہ اسامہ نے یہ فرض کیا تھا کہ امریکہ اسلامی دنیا سے نکل جائے گا مگر جو ہوا وہ اس کے برعکس تھا۔ امریکہ نے ان حملوں کے بعد نے صرف افغانستان پر حملہ کیا بلکہ اس کے بعد عراق پر حملہ آور بھی ہوا اور قطر، کویت اور بحرین میں اپنے فوجی اڈے بھی قائم کیے۔

امریکہ پر حملوں کی اسامہ کی منصوبہ بندی اور حکمت عملی اگر چہ ناکام رہی تھی مگر اس خیال کو اسلامی دنیا کی ایک چھوٹی سے اقلیت نے ضرور پذیرائی بخشی۔ تاریخ کے موثر ترین لیڈروں کی طرح اسامہ نے بھی جکارتہ سے لندن تک پھیلے اپنے پیروکاروں کو ایک سادہ سی کہانی سنائی جو اس کے پیرو آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔ اور وہ کہانی یہ تھی کہ مغرب اور اس کی کٹھ پتلی مسلم حکمران حقیقی اسلام کو مسخ کرنا چاہتے ہیں، اور اس سازش کی قیادت امریکہ کر رہا ہے۔ اسامہ بن لادن نے موثر انداز سے اپنے سامعین تک یہ مہا بیانیہ پہنچایا کہ امریکہ سے اس سازش کا بدلہ لینا ضروری ہے۔ 2005 اور 2006 کے دوران دس اسلامی ملکوں میں ایک وسیع گیلپ سروے کیا گیا جس کے مطابق سات فیصد مسلمان نائن الیون حملوں کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس کو سادہ انداز میں بیان کیا جائے تو مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ایک ارب بیس کروڑ مسلم آبادی میں سے دس کروڑ مسلمان اسامہ کے نائن الیون حملوں کی منطق سے اتفاق کرتے ہیں۔

اسامہ کے نظریے کی زہریلی وراثت یہ ہے کہ اس کی آئیڈیالوجی کو لیکر اور کئی متشدد گروپ وجود میں آ چکے ہیں۔ ایک ہسپانوی ماہر قانون کے مطابق 2008 جنوری میں پاکستانی طالبان نے ممکنہ طور پر خودکش حملہ آوروں کی ایک ٹیم بارسلونا بھیجی تا کہ وہاں سب وے ٹرینوں پر حملے کیے جا سکیں۔ اس کے ایک سال بعد پاکستانی طالبان نے ایک امریکی شہری فیصل شہزاد کی ٹریننگ کی اور اسے نیویارک میں حملوں کے لیے روانہ کیا۔ رپورٹوں کے مطابق فیصل شہزاد امریکہ سے وزیرستان آیا جہاں اس نے پانچ دن بم بنانے کی تربیت حاصل کی۔ یکم مئی 2010 کو فیصل شہزاد نے ٹائم سکوائر میں بم دھما کا کرنے کی کوشش کی جو خوش قسمتی سے نہ پھٹا اور دو دن بعد فیصل شہزاد کو گرفتار کر لیا گیا۔

2008 میں ممبئی میں ہونے والے حملے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ پاکستانی عسکری گروہ جن کا مرکزی فوکس بھارتی اہداف تھے جیسے لشکر طیبہ انہوں نے بھی اسامہ کی

آئیڈیالوجی اختیار کر لی ہے اور امریکیوں اور یہودیوں کے خلاف حملے کرنا شروع کر دیے ہیں۔

القاعدہ کے علاقائی حلیف بن لادن کے خونی کام کو یقیناً جاری رکھیں گے۔ القاعدہ ان عریبین پینسولا (اے کیو اے پی) نامی تنظیم نے نائیجیریائی دہشت گرد عمر فاروق عبدالمطلب کے ذریعے 2009 میں کرسمس کے دن نارتھ ویسٹ 253 کی پرواز کو ڈیٹریاٹ پر گرانے کی کوشش کی۔ اس شخص نے اپنے انڈرویئر کے نیچے بم چھپا رکھا تھا۔ اسی تنظیم نے شکاگو میں بم حملوں کی ناکام کوشش بھی کی۔

ستمبر 2009 میں صومالی اسلامی گروپ الشباب نے باقاعدہ طور پر بن لادن سے وفاداری کا حلف اٹھایا اور صومالیہ میں جاری جنگ کے لیے مسلم امریکیوں کو بھرتی کیا۔ جوں ہی الشباب نے اسامہ سے اپنا رشتہ جوڑا اسے غیر ملکیوں کی طرف سے زیادہ بھرتیاں کرنے کا موقع مل گیا، ایک تخمینے کے مطابق 2010 تک اس گروپ کے ساتھ کم از کم بارہ سو غیر ملکی جنگجو کام کر رہے تھے۔ ایک سال بعد الشباب کے کنٹرول میں جنوبی صومالیہ کا اکثر علاقہ آچکا تھا۔

نائیجیریا میں بوکو حرام نامی ایک گروپ نے دارالحکومت ابوجا میں اقوام متحدہ کی عمارت پر حمہ کیا، 2011 میں ہوئے اس حملے میں گیارہ کے قریب لوگ ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد سے یہ گروپ عیسائیوں کے خلاف منظّم حملے کر رہا ہے۔

2008 میں کچھ ایسی اطلاعات سامنے آئیں کہ عراقی القاعدہ شکست کے قریب پہنچ چکی ہے۔ امریکہ میں متعین عراقی سفیر نے اعلان کیا تھا کہ عراق میں القاعدہ اپنی شکست کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یقیناً پورے عراق پر ان کے تسلط کا وہ عالم نہیں تھا جو 2006 میں تھا مگر عراق میں القاعدہ نے خود کو انتہائی سخت جان ضرور ثابت کیا اور بغداد میں کئی بم دھماکے کیے۔ 2012 میں عراقی القاعدہ نے شام کے بشارالاسد کی حکومت کو

گرانے کے لیے اپنے لوگ شام میں بھیجے۔

اس طرح کے گروپ اور تنہا کام کرنے والے دیگر لوگ بن لادن سے متاثر ہیں اور یہ لوگ تباہی پھیلاتے رہیں اور تہذیبوں کے تصادم کے نظریے کو پھیلاتے رہیں گے جیسا کہ نائن الیون کے ذریعے اسامہ نے کوشش کی تھی۔ مسلم ملکوں کی حکومتیں بھی القاعدہ کے خلاف سنجیدہ اقدامات اٹھا چکی ہیں اور اب لاقاعدہ کے نظریات سے ہمدردی رکھنے والوں کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2003 میں مسلم آبادی کے دو بڑے ملکوں انڈونیشیا اور پاکستان میں القاعدہ اور خودکش حملوں کی حمایت کرنے والوں کی جو تعداد تھی وہ 2010 میں نصف کے قریب رہ گئی تھی۔ حمایت میں کمی کے اس رجحان کی کلیدی وجہ دہشت گردوں کی طرف سے ہوئے حملوں میں مسلمان آبادی کی ہلاکت تھی۔ القاعدہ اور اس کے اتحادی دہشت گردوں نے اس مسلم آبادی پر بھی متواتر حملے جاری رکھے جو ان کے خیالات سے اتفاق نہیں رکھتی تھی۔ بغداد سے جکارتہ اور عمان سے اسلام آباد تک نائن الیون کے بعد جو دہشت گردانہ حملے ہوئے ان میں القاعدہ اور اس کے حلیفوں کے ہاتھ کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ القاعدہ اور اس کے اتحادی جو خود کو صحیح اسلام کے دفاع کار سمجھتے تھے، انہوں نے اسلامی دنیا میں جو کیا وہ مسلم آبادی کی اکثریت کو ان کا مخالف کر گیا۔

نائن الیون کے پیچھے القاعدہ کی جو حکمت عملی تھی اس میں مکمل ناکامی کے باوجود بہت سے اہم مصنف، سکالر اور سیاستدان جن کا تعلق مغرب سے تھا انہوں نے دعوی کیا کہ واشنگٹن اور نیویارک پر ہوئے حملے اس جنگ کا آغاز ہیں جو کلیت کی آئیڈیالوجی کے حامیوں نے شروع کی ہے، یہ مہلک آئیڈیالوجی اس تصور کے قریب ترین ہے جس کے خلاف امریکہ انیسویں صدی میں برسرپیکار رہا۔ یقیناً بن لادن کی تحریک اور قومی سوشلزم، سٹالنزم، یہودی مخالف تحریک اور اینٹی لبرلزم تحریک میں کچھ

مشترکات پائے جاتے ہیں جس میں ایک کرشماتی لیڈر، ماڈرن پروپیگنڈے کے طریقوں کا استعمال اور زمین پر جنت جیسی زندگی کے خواب دکھانا شامل ہیں مگر بن لادن ازم نازی ازم جیسا خطرہ نہیں کہا جاسکتی۔ اگرچہ بہت سے لوگ اسلاموفاشزم کو بھی اتنا ہی بڑا خطرہ قرار دیتے چلے آ رہے ہیں۔

مگر یاد رہنا چاہیے کہ نازیوں نے یورپ کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کیا تھا اور لاکھوں لوگوں کو قتل کیا تھا۔ امریکہ نے اپنی جی ڈی پی کا چالیس فیصد نازیوں کے خطرے سے نمٹنے کے لیے خرچ کیا تھا، دوسری طرف کمیونسٹ حکومت نے سوملین لوگوں کو جنگ میں قتل کیا انہیں جیلوں میں ڈالا اور بھوک وقحط کا سبب بنی۔

اس کے مقابلے میں القاعدہ کا خطرہ بہت کم تر سطح کا تھا۔ القاعدہ اور اس کے اتحادیوں کے غیر نمایاں خطرے کے باوجود دہشت گردی کے خلاف جو جنگ نائن الیون کے بعد شروع ہوئی اس نے امریکی کے نیشنل سکیورٹی انڈسٹریل کمپلکس کو بہت فروغ دیا۔ قبل ازیں امریکہ کی تمام خفیہ ایجنسیوں کا مجموعی بجٹ 25 ارب ڈالر تھا جو ایک عشرے بعد بڑھ کر 80 ارب ڈالر ہو چکا ہے۔ اگر دہشت گردی کے خلاف جنگ کا مقصد اسامہ بن لادن کو پکڑنا تھا تو اس جنگ پر امریکہ کا آدھا ٹریلین ڈالر خرچ ہوا ہے۔

اسامہ کی ہلاکت کے چھ ہفتے بعد القاعدہ نے مصری ڈاکٹر ایمن الظواہری کو اپنا قائد منتخب کیا۔ امریکہ کی سیل ٹیم کو ایبٹ آباد سے جو چھ ہزار مسودے ملے اس سے یہ واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ القاعدہ کتنا بڑا خطرہ بن چکا تھا۔ اسامہ کی جو یادداشتیں ملی ہیں ان میں کہیں اس بات کا حوالہ تک موجود نہیں کہ وہ سی آئی اے کے ہاتھ لگے گا۔ بن لادن نے اپنی ان یادداشتوں میں دیگر جہادی گروہوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ القاعدہ جیسا طریقہ استعمال نہ کریں۔ 7 اگست 2010 کو اسامہ نے صومالیہ کی وحشی

تنظیم الشباب کے لیڈر کو خط لکھا کہ وہ خود کو القاعدہ سے نہ جوڑیں کیونکہ اس طرح وہ دشمنوں کی نظر میں آجائیں گے اور امیر عرب شخصیات سے چندہ لینے میں انہیں مشکلات کا سامنا ہوگا۔

یقیناً اسامہ یہ حقیقت سمجھ چکا تھا کہ القاعدہ کے لیبل میں اب وہ چمک باقی نہیں رہی۔ دوسری طرف اوبامہ انتظامیہ کی یہ چال بھی اسامہ کے خلاف گئی کہ انہوں نے القاعدہ کے خلاف جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کہنے پر زیادہ زور نہ دیا کیونکہ اس سے اسلامی دنیا میں یہ پیغام جا رہا تھا کہ جب دہشت گردی کے خلاف جنگ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد ہے اسلام کے خلاف جنگ۔

اکتوبر 2010 میں اسامہ نے اپنے ایک نائب کو جس نے القاعدہ کی جہاد کی تاریخ کا ایک جائزہ لکھا تھا، اس کے نام 48 صفحات پر مبنی ایک دستاویزی خط لکھا۔ اس دستاویز کا آغاز اس رجائیت پسند نوٹ سے کیا گیا تھا کہ افغانستان پر امریکی حملے کے بعد امریکہ کے لیے یہ سال بدترین رہا ہے، اسامہ نے خیال ظاہر کیا کہ اس رجحان میں مزید اضافہ ہوگا۔ اسامہ نے پاکستان کے قبائلی علاقوں اور طویل عرصے سے القاعدہ کی پناہ گاہ چلی آرہی وزیرستان ایجنسی پر امریکہ کے مسلسل ڈرون حملوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ تمام القاعدہ ممبران کو اس علاقے سے نکال لیا جائے۔

ٹھیک اس وقت جب اسامہ اپنے ساتھیوں کو پاکستان کے قبائلی علاقوں میں اپنی نقل وحرکت کو محدود کرنے کا مشورہ دے رہا تھا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ افغانی علاقے کنڑ کے پہاڑوں کی طرف چلے جائیں جہاں سے امریکہ کو ان پر نظر رکھنے میں مشکل پیش آئے گی۔ اسامہ اپنے بیس سالہ بیٹے حمزہ کے حوالے سے بھی پریشان تھا جو ایران سے آنے کے بعد وزیرستان میں تھا، اس نے لکھا کہ حمزہ کو کہا

جائے کہ وہ فوراً وزیرستان سے نکل کر قطر چلا جائے اور سفر اس وقت کرے جب موسم ابر آلود ہو کیونکہ ایسے موسم میں امریکی سیٹلائٹ اور ڈرون حملے نہیں ہو سکتے۔ حمزہ کی سکیورٹی کے حوالے سے اسامہ کو اتنی پریشانی تھی کہ اس نے اسے لکھا کہ وہ جو کچھ بھی ایران سے اپنے ساتھ لایا تھا، اسے پھینک دے کیونکہ ہو سکتا ہے اس میں کوئی خفیہ برقی چپ ہو اور اسامہ نے نصیحت کی کہ وہ ابو سلمان بلوچی سے خود کو دور رکھے کیونکہ اس کے کئی ساتھیوں کے پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ رابطے ہیں۔ اسامہ نے حمزہ کو ڈرون حملوں سے بچنے کے حوالے سے بھی خصوصی نصیحتیں کیں۔

اسامہ نے القاعدہ کے اپنے ساتھیوں کو بھی احکامات جاری کیے کہ وہ آپس میں صرف خطوں کے ذریعے رابطہ کریں اور فون اور انٹرنیٹ کا استعمال نہ کریں۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ اسے اپنے سوالات اور احکامات کے جوابات کے حوالے سے دو سے تین ماہ تک انتظار کرنا پڑتا تھا جو ایک تنظیم کے چلانے کے لیے بہرحال موثر ذریعہ نہ تھا۔ اسامہ نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ جب وہ کسی شخص کو اغوا کریں تو تاوان کے لیے گفت و شنید میں احتیاط سے کام لیں اور جس بیگ میں انہیں رقم ملے وہ بیگ فوراً ہی پھینک دیں کیونکہ ہو سکتا ہے بیگ میں کسی قسم کی ٹریکنگ ڈیوائس ہو۔

اپنی تنہائی کے آخری سالوں میں اسامہ تنظیم کے چھوٹے موٹے کاموں میں بھی بہت دلچسپی لینے لگا تھا۔ مثال کے طور پر اس نے یمن میں موجود اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب وہ سڑک کے ذریعے سفر پر روانہ ہوں تو پٹرول وغیرہ فل رکھیں اور اچھی طرح کھانا کھا کر نکلیں تاکہ انہیں راستے میں پٹرول پمپس اور ہوٹلوں پر نہ رکنا پڑے جہاں حکومتی جاسوس موجود ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں میں القاعدہ کی شبیہ بہتر بنانے کے کام پر بھی اسامہ کام کر رہا تھا۔ وہ میڈیا کے ذریعے جاری جنگ کی اہمیت سے بھی

آگاہ تھا اس لیے اس نے اپنی میڈیا ٹیم کو احکامات جاری کیے کہ نائن الیون حملوں کی دسویں برسی آرہی ہے اور اس اہم موقع پر وہ اسے اپنی تجاویز بھیجیں۔ اس نے اپنی میڈیا ٹیم کو کہا کہ وہ الجزیرہ انگلش اور الجزیرہ عربی کے علاوہ امریکہ کے کسی نیوز چینل تک بھی رسائی کی کوشش کریں۔ اس حوالے سے اسامہ نے کہا کہ کسی غیر جانبدار امریکی ٹی وی جیسے سی بی ایس تک رسائی کی کوشش کی جائے۔ شاید اسامہ کی اسی خواہش کا نتیجہ تھا کہ ان کے ایک میڈیا ایڈوائزر آدم گڈاہن نے تجویز پیش کی کہ 2011 میں نائن الیون حملوں کی برسی کے موقع پر ایک ہائی ڈیفینیشن ویڈیو ٹیپ اسامہ کی طرف سے جاری کی جائے جو فاکس نیوز کے علاوہ تمام امریکی ٹی وی چینلز کو بھیجی جائے کیونکہ فاکس ان کے نزدیک جانبدار ٹی وی تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسامہ یہ ویڈیو ٹیپ جاری نہ کر سکے۔

اپنی زندگی کے آخری دن تک اسامہ کی خواہش رہی کہ امریکہ پر ایک اور بڑا حملہ کیا جائے۔ اپنے ایک ڈپٹی کو ایک خط میں اسامہ نے لکھا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کسی بھائی کو امریکہ پر بڑا حملہ کرنے کے لیے نامزد کریں۔ اس کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ کچھ لوگ تیار کریں جو دس سے زیادہ نہ ہو اور انہیں ان کے متعلقہ ملکوں میں بھیجیں، اور کوشش کریں کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہ جانتا ہو اور یہ لوگ جا کر ایوی ایشن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ پڑھیں۔ مضحکہ خیز طور پر اس خط میں اسامہ نے پاکستانی نژاد امریکی شخص فیصل شہزاد کی طرف سے امریکی ریاست سے دغا کرنے کے حوالے سے لکھا کہ اسلام میں یہ ناممکن نہیں کہ وعدہ توڑا جائے، یاد رہے کہ فیصل شہزاد نے ٹائم سکوائر میں دھماکہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ 7 جولائی 2005 کے بعد سے بن لادن مغرب پر کوئی حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ 2009 میں مین ہٹن پر حملے اور جرمنی میں ممبئی طرز کے حملے

کی کوششیں بری طرح ناکام ہوئی تھیں۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ نائن الیون کے بعد القاعدہ امریکہ پر کوئی حملہ نہیں کر سکی تھی۔

اس کے بعد عرب بہار کا دور شروع ہوا جس میں القاعدہ کے ورکرز، لیڈرز اور تصورات کا کوئی کردار نہ تھا۔ دوسری طرف ڈرون حملے تھے جو القاعدہ کی قیادت کے ایک بڑے حصے کو ختم کر چکے تھے۔ سی آئی اے ڈرون حملے میں اسامہ کے آرمی چیف عطیہ عبدالرحمٰن کو ختم کر چکی تھی، اور القاعدہ کے پاس اس قابلیت کا آدمی جلد تیار کرنا بہت مشکل کام تھا۔ ظواہری کے لیے آسان نہ تھا کہ وہ القاعدہ کو دوبارہ سے کوئی طاقت بنا سکتا تھا۔ وہ اسامہ سے اچھا مقرر ہونے کے باوجود بھی اس کرشماتی طلسم سے محروم تھا جو اسامہ کو حاصل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظواہری ایک غیر موثر لیڈر تھا جسے خود اس کے اپنے ملک مصر کے جہادی گروپ پسند نہیں کرتے تھے۔ اسامہ کی موت صرف القاعدہ کے بانی کی موت ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسے لیڈر کی موت ہے جس کا جہادی تحریک کو بہت نقصان پہنچا، اس کے درجن بھر بچوں میں سے کسی کے پاس بھی وہ طلسماتی شخصیت نہیں جو اس جہادی تحریک کو آگے لے جا سکے۔

اسامہ کی موت سے یقیناً جہادی تحریک کا خاتمہ نہیں ہوگا مگر اسامہ کی موت اور مشرق وسطیٰ میں آمرانہ حکومتوں کے خاتمے نے صورت حال کافی حد تک بدل دی ہے۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ عرب دنیا میں جو انقلابی لہر چلی ہے اس کا حتمی نتیجہ کیا ہوگا مگر اس بات کے امکان بہت ہی کم ہیں کہ القاعدہ یا کوئی اور جہادی اور دہشت گرد گروپ ان ممالک پر قبضہ کر سکتا ہے۔ لیکن ایک بات کا امکان بہر حال موجود ہے کہ جب تک کسی اسلامی ملک میں ان کو حکومت بنانے میں کامیابی نہیں ملتی القاعدہ جیسی تنظیمیں خانہ جنگی کی صورت حال کو قائم رکھیں گی۔ اس لیے اگلے کچھ سالوں میں لیبیا، یمن، شام اور مصر میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

مصر میں آمر حسنی مبارک کے اقتدار کے بعد اسلامی گروپوں نے نمایاں کارکردگی دکھائی ہے۔ اخوان المسلمون اور اور سلفی پارٹی کو تین چوتھائی ووٹ ملے ہیں۔ یہ گروپ تشدد کے حامی نہیں ہیں اور القاعدہ اخوان المسلمون کی ناقد رہی ہے کیونکہ انکے نزدیک انتخابی عمل غیر اسلامی ہے۔ دوسری طرف سلفی پارٹی ہے جو یقیناً ملک میں نائن الیون سے قبل کے طالبان جیسے نظام کی حامی ہیں جیسا کہ ان فیس بک انقلابیوں کی پوسٹس سے ظاہر ہوتا ہے جنہوں نے حسنی مبارک کے خلاف تحریک کا آغاز کیا تھا۔

ظواہری کی خامیاں اپنی جگہ، مگر اس کے پاس کچھ ایسے مواقع بہرحال موجود ہیں کہ وہ القاعدہ کی تنظیم نو کر سکے۔ جوں ہی عرب بہار کے دعوے مدہم ہوں گے تو اس بات کا امکان زیادہ ہوگا کہ ظواہری علاقے میں موجود طوائف الملوکی کو استعمال کر کے اپنے مرکزی گول...... القاعدہ کے لیے محفوظ پناہ گاہ...... کا کوئی انتظام کر سکے۔ ایک ایسی جگہ جہاں القاعدہ کو یہ محفوظ جنت حاصل ہو سکتی ہے وہ ہے یمن۔ کیونکہ یہاں بھی بنیادی طور پر حالات ایسے ہیں جیسے نائن الیون سے قبل افغانستان میں تھے......قبائلی معاشرہ، پوری طرح مسلح اور غریب معاشرہ...... ہوسکتا ہے کہ القاعدہ اس کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

اسامہ ایک طویل عرصے تک خود کو ایک شاعر کے طور پر تصور کرتا رہا تھا۔ اس نے نائن الیون سے دو سال قبل ایک نظم لکھی جس میں اس نے اس صورت حال کے بارے میں لکھا جس میں اسے اپنی موت کی توقع تھی:

میری قبر ایک شاہین کی قبر ہوگی
میری آخری آرام گاہ آسمان کی بلندیاں ہوں گی
وہ پہاڑی چوٹیاں جہاں شاہین بسیرا کرتے ہیں

مگر اسامہ کے حصے میں یہ شاندار موت جس کا اس نے خواب دیکھا تھا نہ آئی اور

جب وہ مرا تو اپنی بیویوں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک ایسا گھر جس میں شاہینوں کی بجائے بچوں کے کھلونے تھے اور دوائیوں کی بوتلیں...... جیسا کہ امریکی سیل ٹیم جس نے ایبٹ آباد مشن میں حصہ لیا تھا، اس نے بتایا۔ 25 فروری 2012 کو پاکستانی حکام نے وہ کمپاؤنڈز میں بوس کر دیا جہاں اسامہ نے اپنی زندگی کے آخری سال گزارے۔

اگر اسامہ کی زندگی کے اختتام کو شاعری سے جوڑنا ہے تو اس کے لیے بہترین شاعری ہے انصاف کی شاعری...... میرے ذہن میں صدر بش کے وہ الفاظ آ رہے ہیں جو انہوں نے نائن الیون کے نو دن بعد کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے کہے تھے:

''تاریخ جھوٹوں کا گمنام قبرستان ہے''

جیسے کمیونزم اور نازی ازم فنا ہو گئے القاعدہ کی بھی وہی حشر ہوگا۔ باراک اوبامہ نے القاعدہ اور اس کے اتحادیوں کے حوالے سے کہا تھا ''یہ تھوڑے سے لوگ ہیں جو تاریخ کی غلط طرف ہیں''

القاعدہ کے لیے تاریخ ڈرامائی موڑ مڑ چکی ہے، کہ اسامہ کی لاش سمندر کی گہرائیوں میں اتر رہی ہے۔